جلد 24 شمارہ 11 ماہ دسمبر 2022ء جمادی الثانی 1444ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللّٰہ

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری رح
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رح
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
دل کی بات	ادارہ	1
قرب وعرفان کے حصول کا طریقہ	خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	3
عقل کی حدود	قبلہ محمد صدیق ڈارؒ	10
اسوہ نبوی ﷺ اور ہماری زندگی	محمد انصار اللہ قاسمی	16
نرم خوئی اور بردباری	پیر خان توحیدی	20
تبلیغ دین	بنت الاسلام	25
اَمر بالمعروف اور نہی عَنِ المُنکر	محمد عبدالہادی العمری	30
اسلامی تصور عبادت	فہد محمود بخاری	41
حقیقت کی دریافت	مولانا وحید الدین خاں	48
خوف خدا نہ رکھنے کی وجوہات	ہارون یحییٰ	52
ہمارا اخلاقی انحراف	محمد موسیٰ بھٹو	55

دل کی بات

نبی مکرم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی مانند گردش کرتا ہے، اسی طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے قلب میں اپنی چونچ داخل کر کے وسواس ڈالتا رہتا ہے مگر جب وہ بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنی چونچ باہر نکال لیتا ہے۔قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں سینوں میں وسواس ڈالنے والے جنوں اور انسانوں سے اپنی پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے(الناس:5)۔ایک اور جگہ شیطان نے خدا سے مکالمہ کرتے ہوئے کہا کہ میں انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے تیری صراط مستقیم پر بیٹھوں گا اور ان کے آگے، پیچھے اور دائیں بائیں سے حملے کروں گا(الاعراف:17) اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر شیطان کے ہتھکنڈوں اور طریقہ کار کی وضاحت قرآن وحدیث میں کر دی گئی ہے۔

مذکورہ حوالوں اور ہر شخص کے ذاتی تجربات کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انسانی ذہن میں پایا جانے والا ہر ''منفی خیال'' ہی دراصل شیطان ہے۔کیوں کہ شیطان کو مجسم صورت میں شاید ہی کبھی کسی نے دیکھا ہو۔اس ملعون کا بنیادی ہتھکنڈہ خیال ہی ہے۔اس کی تصریح قرآن بھی کرتا ہے کہ محشر میں جن کے لیے دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا وہ واویلا مچائیں گے اور اس انجام کا ذمہ دار شیطان کو قرار دیں گے۔جواب میں ملعون کہے گا کہ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم (ابراہیم:22)''مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے آپ کو الزام دو میں نے تو صرف تمہیں دعوت دی تھی ۔میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا''۔پس ثابت ہوا کہ ذہن میں

پیدا ہونے والا ہر لغو، منفی حتیٰ کہ لایعنی خیال بھی ملعون کا پیدا کردہ ہے۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد اس صورت حال کا حل یہ ہے کہ کم از کم اتنا علم حاصل کیا جائے جس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ذہن میں پیدا ہونے والا خیال خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے منافی ہے یا موافق۔ جب یہ مرحلہ بھی سر ہو جائے اور آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ شیطانی خیال کے زیر اثر ہیں اور آپ کا یہ خیال کسی بھی وقت آپ کے ہاتھوں عمل میں ڈھل سکتا ہے تو آپ کا امتحان شروع ہو جاتا ہے کہ اس خیال کو عمل میں آنے سے روکیں اور گناہ سے بچیں۔ مگر یہ مرحلہ بہت سخت ہے اور بیشتر لوگ اس میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس کا حل بتانے سے پہلے مذکورہ بات کو ایک مثال سے سمجھیں "ہر مسلمان کو اسلامی شریعت کے اس حکم کا علم تو ہے کہ اولاد میں جائیداد کی تقسیم کے حوالے سے بیٹیوں کو محروم کرنا، اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے منافی ہے مگر جب اس علم پر عمل کی باری آتی ہے تو بڑے بڑے حاجی صاحبان بھی اس امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں اور ملعون کے دیئے ہوئے پر مغز دلائل (خیال) کو سچ جان کر خدا اور رسول ﷺ کی حکم عدولی کے جرم عظیم کے مرتکب ہو بیٹھتے ہیں۔

اس سخت مرحلے سے نبٹنے کا ایک آسان اور موثر ترین علاج "اللہ کا ذکر" ہے۔ یہ علاج آپ کی کمزوری کو قوت میں بدل کر ایسی توانائی عطا کرے گا کہ ملعون کو بھاگتے ہی بنے گی۔ ان باتوں کو آزمانے اور اپنی روحانی مضبوطی کے لیے فی الفور اس نسخے پر عمل شروع کر دیں اور اپنے شیخ محمد یعقوب توحیدی کی صحبت کو غنیمت جانتے ہوئے ان سے بھر پور استفادہ کریں۔ اللہ کریم ہمیں علم و عمل کی عظیم نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

قرب وعرفان کے حصول کا طریقہ

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

برادران حلقہ! پچھلے تین سال کے خطبات میں، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ قرآن میں جس تصوف کا ذکر آیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے جس تصوف کی تعلیم دی ہے وہ کیا تھا۔لیکن مرورایام سے رفتہ رفتہ کیا سے کیا بن گیا۔انہی خطبات میں آپ کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تصوف کا مقصد حصول کشف وکرامات ہرگز نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ تصوف کا مقصد تو ذات باری تعالیٰ کا قرب وعرفان ہے۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے کیا ہیں۔یعنی باری تعالیٰ کا قرب وعرفان کس طرح میسر آسکتا ہے۔

یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس طرح ہر علم کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے چند متعین طریقے ہوتے ہیں۔بالکل اسی طرح تصوف کے مقصد یعنی ذات باری تعالیٰ کا قرب وعرفان حاصل کرنے کے بھی چند خاص طریقے ہیں۔ ان طریقوں پر عمل کرنے کو "سلوک" کہتے ہیں۔تصوف دوسرے مذاہب میں بھی ہے لیکن ان کا سلوک اس قدر مشکل ہے کہ اگر کوئی اس پر پوری طرح عمل کرے تو دنیا کا کام کر کے اپنی اور بال بچوں کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کیلئے بالکل وقت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام مذاہب میں دنیا کو چھوڑے بغیر کام نہیں بنتا۔مذہب اسلام کا سلوک ایسا نہیں ہے۔اس میں سالک دنیا کے سارے کام بوجوہ احسن کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔یہ قاعدے نہایت ہی سادہ اور سہل العمل ہیں۔مگر سب سے پہلی اور

ضروری بات یہ ہے کہ سلوک شروع کرتے وقت انسان اچھا مسلمان ہو یعنی اس کے عقائد' عبادات اور اعمال قرآن کے مطابق ہوں۔ وہ نماز' روزے وغیرہ کا پابند ہو' حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح پورا کرتا ہو' کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور اس کا اخلاق اسلامی تعلیم کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ اگر کسی شخص میں یہ سب باتیں نہیں ہیں تو پہلے اس کو ایک اچھا اور پکا مسلمان بننا چاہیے پھر سلوک شروع کرنا چاہیے۔

بات دراصل یہ ہے کہ صرف نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی اور اوامر و نہی کی پابندی سے آدمی پکا مسلمان تو ضرور بن جاتا ہے لیکن ولی اللہ نہیں بن سکتا۔ ورنہ جتنے بھی نمازی مسلمان ہیں آج یہ سب ولی اللہ ہوتے۔ ولی اللہ بننے کیلئے کچھ اور اونچے درجے کی عبادت اور تزکیہ اخلاق کی بہت ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ اعرابی مسلمان ہونے کیلئے حاضر ہوئے۔ جب حضور ﷺ نے ان کو مسلمان کر لیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ مبارک ہو ہم ایمان لے آئے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰـكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات: ۱۴)

یعنی ''اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ پہلے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ پھر اس سے آگے ترقی کر کے مومن بنتا ہے اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کر کے مرتبہ احسان پر فائز ہوتا ہے۔ یعنی ولی اللہ بن جاتا ہے۔ مومن کی پہچان حضور رسول کریم ﷺ نے یہ بتائی ہے کہ جب وہ

عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور مرتبہ احسان کی پہچان یہ بتائی ہے کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔اس حدیث اور متذکرہ صدر آیت سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ولی اللہ بننے کیلئے انسان کو پہلے پکا مسلمان بننا چاہیے۔اس کے بعد ہی وہ مومن اور آخر میں ولی کامل بن سکتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ احباب حلقہ بیعت ہونے کے بعد عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام پر اچھی طرح عمل کریں۔جو لوگ ایسا نہیں کریں گے وہ اپنا مقصد حاصل نہ کرسکیں گے۔البتہ جو لوگ پہلے ہی عبادت و شریعت کے پابند ہوں گے وہ بیعت ہونے کے بعد سلوک کے طریقوں پر عمل کر کے بہت جلد کامیابی حاصل کرسکیں گے۔

اسلامی سلوک میں کوئی دقت یا پیچیدگی مطلق نہیں۔بلکہ جس طرح اسلام ایک سیدھا اور آسان مذہب ہے اسی طرح اسلام کا سلوک بھی بالکل سادہ اور آسان ہے۔اس میں دوسرے مذاہب کی طرح نہ تو ترک دنیا لازمی ہے نہ ایسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں ہیں جن سے جسم اور نفس کو اذیت پہنچے۔اس سلوک کے صرف دو حصے ہیں ایک تو ذکر دوسرے تزکیہ اخلاق۔ذکر میں نماز اور تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔لیکن یہ دونوں چیزیں تو ہر مسلمان کرتا ہی ہے سالک کو ان کے علاوہ کچھ اور ذکر بھی کرنا پڑتا ہے۔وہ ذکر دو طرح کا ہے ایک ''پاس انفاس'' دوسرا ''نفی اثبات'' ان دونوں اذکار کی اصل قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے اخذ کی گئی ہے۔پاس انفاس تو یہ ہے کہ جب آپ کا دماغ دنیوی امور سے خالی ہو اس وقت ہر سانس سے لفظ اللہ دل میں کہیں۔نفی اثبات کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔اس کا طریقہ آپ سب جانتے ہیں اس لیے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

الغرض! ان دونوں اذکار میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرآن یا حدیث کے خلاف ہو۔

اسلامی سلوک کی ابتداء اور انتہا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ مزمل کی ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کردی ہے فرماتے ہیں:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً (المزمل:۸)

یعنی ''اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔''

ظاہر ہے کہ ربّ ایک صفاتی نام ہے' ذاتی نام باری تعالیٰ کا اللہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ لفظ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ یہ ذکر کس طرح کیا جائے اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتایا ہے فرمایا ہے:

وَاذْکُر رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَخِیفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلاَ تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ (الاعراف: ۲۰۵)

یعنی ''اور اپنے ربّ کو دل میں یاد کرو، زاری اور ڈر سے زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ (النساء:۱۰۳)

یعنی ''اور جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو۔ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے۔''

ذکر کے متعلق جو اور آیات قرآن مجید میں ہیں ان کو اور ان دو آیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اولیائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو چوبیس گھنٹے برابر ہی یاد رکھنا چاہیے اور اس یاد سے غفلت کبھی نہیں کرنی چاہیے۔

اب چونکہ ہر کام کا ایک مناسب قاعدہ ہوتا ہے اس لیے انہوں نے اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کیلئے پاس انفاس کا طریقہ ایجاد کیا۔ یعنی ہر سانس سے جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ اللہ

دل میں کہا جائے آواز نکالے بغیر مگر بے خیالی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ جب بھی دل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی دل میں آئے۔ درحقیقت اس سے بہتر اور کوئی طریقہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے کا ہے بھی نہیں۔ عام طور پر جس چیز یا جس بات کو یاد رکھنا ہو اس کو کسی ریفرنس یعنی حوالہ یا وسیلہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ یاد رکھا جا سکتا ہے۔لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں اس کا ماحول اور کیفیات تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد برابر بدلتی رہتی ہیں۔ابھی آپ گھر میں تھے تو کچھ دیر بعد آپ دفتر پہنچ گئے' پھر کچھ دیر بعد آپ بازار میں تھے' تو پھر کسی میدان یا باغ میں چلے گئے۔ان متواتر تغیرات کی وجہ سے آپ کسی چیز کو بھی اللہ کی یاد کا وسیلہ نہیں بنا سکتے۔لیکن آپ کا سانس ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں یکساں طور پر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے۔اس لیے سانس کے علاوہ اور کوئی ایسا وسیلہ نہیں ہو سکتا جس کے ذریعہ سے خدا کو ہمیشہ یاد رکھا جا سکے۔

اسم ذات کا پاس انفاس اگر باقاعدہ اور کچھ مدت تک جم کر کیا جائے تو اس سے پہلا فائدہ جو سالک کو پہنچتا ہے وہ اطمینان قلب کا حصول ہے' اور یہ وہ دولت ہے جس کیلئے تمام علماء و تمام فلاسفر اور تمام ماہرین نفسیات دن رات مارے مارے پھرتے ہیں اور نت نئے طریقے سوچتے اور ایجاد کرتے ہیں لیکن کچھ بن نہیں پڑتا۔لیکن اسم ذات کے پاس انفاس سے یہ دولت بے قیاس تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔اور کیوں نہ ہو جب کہ اپنے کلام پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اطمینان قلب حاصل کرنے کا یہی نسخہ تجویز فرمایا ہے' ارشاد ہوتا ہے: اَلاَ بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد:۲۸)

یعنی ''بے شک اطمینان قلب اللہ کے ذکر سے ملتا ہے''۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سالک اپنی منزل مقصود کا راستہ سالوں کی بجائے مہینوں میں طے

کرتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اسی ذکر سے وہ برقی حرارت قلب میں پیدا ہوتی ہے جس کو روحانی طاقت کہا جاتا ہے اور اسی حرارت سے وہ سرخوشی اور کیف و سرور سالک کو حاصل ہوتا ہے جو دنیوی حرام شراب پینے والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ ان تمام فوائد کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسی ذکر کے ذریعہ سے انسان کا تعلق خدا کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جوں جوں اس ذکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے یہ تعلق گہرا اور قوی سے قوی تر ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ حضور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آخر کار اللہ تعالیٰ اس سالک کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے' اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ کام کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے سالک کو معمولی نماز کے علاوہ کافی وقت نوافل میں گزارنا پڑتا ہے۔ لیکن اصل روح ان نوافل میں بھی اسی ذکر کی ہوتی ہے۔

الغرض ! اس طرح سالک کو خدا سے ایک قوی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا قرب و عرفان حاصل کر سکے لیکن یہ سب کچھ دس پانچ ماہ یا دو چار سال میں نہیں ہو سکتا۔ اس مرتبہ تک پہنچنے کے لیے کافی وقت لگتا ہے۔ ہمارے حلقہ کے جو دوست دو چار سال اللہ اللہ کرنے کے بعد ہی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ وہ شاید قرب و عرفان باری تعالیٰ کو مذاق یا دل لگی خیال کرتے ہیں یا کوئی ایسی سستی چیز سمجھتے ہیں جو بازار سے پیسے دے کر خریدی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تمام عمر محنت اور اللہ اللہ کرنے کے بعد مرتے وقت بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ کیوں کہ روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس کی محبت میں اس دنیا

سے سفر کرتی ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس دنیا میں قرب وعرفان یا لقائے باری تعالیٰ حاصل نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تو ضرور یہ سب چیزیں حاصل ہو جائیں گی ۔آپ کو سوچنا چاہیے کہ انسان کا ابدی گھر تو وہی ہے۔اگر وہاں ایک آدمی اللہ کے مقربین میں ہو تو پھر اس کو اور کیا چاہیے۔

سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے تین گروہ ہوں گے ۔ایک بائیں والے اور ایک دائیں والے اور ایک آگے والے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بائیں والے عذاب میں مبتلا ہوں گے یعنی دوزخی ہوں گے' دائیں والے عیش و آرام میں ہوں گے یعنی جنتی ہوں گے اور آگے والوں کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا کیا کہنا۔وہ تو آگے ہی بڑھنے والے ہیں اور وہی مقرب ہیں ۔تو جو لوگ نیکی یا عبادت محض اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں کسی معاوضے اور بدلے کے خیال سے نہیں کرتے وہی مقربین میں ہوں گے اور یہ اتنی بڑی نعمت اور اتنا بلند مرتبہ ہے کہ کوئی دوسری نعمت اور کوئی دوسرا مرتبہ اس کا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔

اے برادران حلقہ! میری گزارش آپ سے یہی ہے کہ آپ نیکی کریں تو اللہ کی خوشنودی کیلئے،عبادت کریں تو محض اللہ کیلئے اور محبت کریں تو اس کے واسطے۔آپ کے تمام اعمال و افعال اور جدوجہد کا مقصد وحید یہی ہونا چاہیے کہ آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ جیتے جی ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی یہ دولت میسر آجائے ۔اگر آپ کی یہ خواہش مستقل اور آپ کا ارادہ پکا رہے تو ناممکن ہے کہ آپ کو اپنی محنتوں کا ثمر نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔

(از:چراغِ راہ)

عقل کی حدود

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

انسان نے اپنی سہولت کے لیے سینکڑوں قسم کی مشینیں ایجاد کر رکھی ہیں ان سے صحیح طور پر کام لینے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں جان کاری حاصل کی جائے اسی لیے ہر مشین کے طریقہ استعمال اور اس کی مناسب دیکھ بھال کی تعلیم دینے کے لئے اس کا ڈیزائنر اور بنانے والا ادارہ خریداروں کو مشین کے ساتھ ایک کتابچہ ہدایات بھی مہیا کرتا ہے۔ اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو مشین کی کارکردگی عمدہ اور عمر طویل ہوگی بصورت دیگر لاپرواہی کے نتیجہ میں اس میں لاتعداد نقائص پیدا ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مشین اپنی تخلیق کے مقاصد ادا کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔ آخر کار اسے ایک بیکار چیز سمجھ کر کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جائے گا یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی چیز کو اس کے خالق سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا اس لئے بہترین نتائج اسی صورت میں حاصل کیے جاسکتے ہیں جب اس کے خالق کی دی ہوئی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ جس طرح کوئی مشین یا حیوان اپنی بہتری یا بھلائی کیلئے کتاب ہدایت خود مرتب نہیں کر سکتا اسی طرح انسان بھی ایک جامع اور بے خطا آئین مرتب کرنے سے قاصر ہے جو اسے حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔ کیوں کہ جب تک انسان کی شخصیت اور اس کی زندگی کی حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھا جائے، اس کے برے بھلے کا فیصلہ کیا ہی نہیں جاسکتا لیکن انسان کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا یعنی

عرفان نفس حاصل کرنا ایک کارِ دشوار بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق انسان کو زمین پر پیدا ہوئے تقریباً دس لاکھ برس ہو چکے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں وہ اپنی عقل کے بل بوتے پر مادی اشیاء کو بھی مکمل طور پر سمجھ نہیں پایا تو نفس، قلب اور روح کی نزاکتوں اور روحانی عوالم کی لطافتوں کو بھلا کیونکر جان سکتا ہے۔ زندگی بذاتِ خود ایک ایسا راز ہے کہ موجودہ سائنس اپنی تمام تر ترقی کے باوجود اس کی دریافت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکی۔ پاکستان کے ایک عظیم مفکر علامہ عنایت اللہ خان مشرقی نے دنیا بھر کے سائنسدانوں کے نام اپنے ایک مراسلہ بعنوان ''انسانی مسئلہ'' میں تحریر فرمایا:

''ہمارا علمِ کیمیا صرف بے جان مادّے کا علم ہے۔ اس نے چند عمدہ اور مفید مرکبات یا تجریدی معجزے تیار کیے ہیں لیکن زندگی کے مسئلہ کا حل ان دریافتوں سے نہیں ہو سکا سائنسدان شرم کا مارا روزِ اول سے ہی ٹپٹا رہا ہے جب وہ مکمل سکتے میں ایک انڈے کو دیکھتا ہے کہ خود بخود پھٹ کر چوزہ بن چکا ہے۔ اس انڈے کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہا ہے وہ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کی توجیہہ سمجھنے سے قاصر ہے یا جب ایک چھوٹا سا بیج خود بخود ایک درخت بنتا جاتا ہے اور اس کے اندر جو تغیر رونما ہوتا رہتا ہے اس کی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی حتیٰ کہ وہ اس تقاضے کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا جو بیج کو درخت بنا رہا ہے زندگی کے اندر خود بخود اکساہٹ کیوں ہے یہ ایک حواس باختہ کر دینے والا مسئلہ ہمیشہ سے رہا ہے حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ زندگی ضرور ابتدائی طور پر بے جان مادے ہی سے پیدا ہوئی ہوگی۔ یہ درمیانی کڑی جب مل گئی اور اس کی خاطر خواہ توجیہہ بھی مل گئی تو یہ انکشاف شاید صحیح علم کا پہلا طلوع ہوگا جب کہ انسان کی بنائی ہوئی جیومیٹری اور ریاضی اور کیمیا سب کے سب ماضی کے کھلونے بن جائیں گے اور انسان کی فطرت کی زبان میں اور فطرت کی اکائیوں میں

سمجھ آنے لگے گی۔ یہ ایک انتہائی طور پر حیرت انگیز بات ہے کہ انسان جو بذات خود زندگی کی اکساہٹ بدرجہ کمال رکھتا ہے اس اکساہٹ کی توجیہہ بھی نہیں کرسکتا بلکہ اس کو محسوس بھی نہیں کرسکتا جواس کے جسم کے بالوں کوخود بخود بڑھاتی رہتی ہے۔ جواس کے اپنے جسم کے زخموں کوخود بخود مندمل کر دیتی ہے، جواس کے معدے میں خوراک کوخود بخود ہضم کر دیتی ہے، جواس کے کانوں سے سننے، آنکھوں سے دیکھنے اور ذہن سے سوچنے کا کام لیتی ہے اگر بے جان مادے کے ارتقاء سے یہ خاصیتیں کسی جادو کے زور سے پیدا ہوتی ہیں تو یقیناً وہ طلسم ہمیں ان کیمیائی فارمولوں سے نہیں مل سکتا جو ہم نے معلوم کر کے عمدہ طور پر ترتیب دے رکھے ہیں بلکہ وہ ہمیں اس روشنی کے عمل سے روز بروز زیادہ واقفیت حاصل کرنے سے ملے گا۔ جوایک بجھی ہوئی موم بتی کو یکدم جلا دیتی ہے اور اس ذراسی چھوت سے بتی کوجلائے رکھتی ہے''۔

" نوڈ''ہمیں انسانی ذہن اور شعور کی فطرت کے طریقہ عمل کے متعلق انتہائی طور پر جانکاہ دروں رسی کے بعد ہی مل سکے گا اور وہ بھی اس وقت کہ زندگی کے عظیم الشان راز میں مسلسل غور وفکر کے بعد کوئی نیا طریقہ تلاش مل جائے جو موجودہ طریقوں سے مختلف ہو۔ زندگی کا مسئلہ دراصل فطرت کے اس راز کو دریافت کرنے کا مسئلہ ہے جوانڈے کو آنے والے چوزے کی اکائی انسان کے نطفے کو آنے والے بچہ کی اکائی اور بیج کو آنے والے درخت کی اکائی بنادیتا ہے''۔ انسان اپنی اس بے بسی اور کوتاہ علمی کے باوجود ہر دور میں اپنی عقل کو کامل سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے جس طرح اپنے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر عمر میں اپنی رائے کو ہی درست جانتے ہیں خواہ وہ سوفیصد غلط کیوں نہ ہوں بلکہ بسا اوقات تو مضر اور مہلک چیزوں کے حصول کے لیے ضد کرتے ہیں۔ انسان کے اندر کارفرما روح کی حقیقت جاننا تو بہت دُور کی بات ہے انسان تو یہ جاننے سے بھی قاصر ہے کہ رحم مادر کے اندر اس کی ظاہری

شکل وہیئت اور جسم کے اندرونی اعضاء کو بہترین صورت دینے میں کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ایک ہی والدین کی اولاد میں شکل و شباہت ،عادات،خصائل اور ذہنی رجحانات کا فرق کیوں ہوتا ہے؟ انسان ہنستا،روتا اور سوتا کیوں ہے؟ انسان کے ظاہری اعضاء کو دماغ کنٹرول کرتا ہے لیکن دماغ پر کون سی چیز حکمرانی کرتی ہے اور وہ مادّی ہے یا غیر مادّی؟ خیال، ارادہ،احساس ،جذبات،حزن،مسرت اور محبت کی کیا حقیقت ہے؟ انسان سوتے میں خواب کیوں دیکھتا ہے اور ان میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کس طرح نظر آجاتے ہیں؟ جولوگ مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں ان کے علوم کی بنیاد کیا ہے؟ کسی واقعہ یا حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کے بارے میں علم ہو جانا کیونکر ممکن ہے؟الغرض انسانی جسم و جان کے اندر پوشیدہ اور اردگرد کی کائنات میں پھیلی ہوئی ان گنت گتھیاں ایسی ہیں جو انسان ابھی تک سلجھا نہیں سکا۔بایں ہمہ اگر پھر بھی انسان یہ سمجھے کہ میں اپنے برے بھلے کو خوب جانتا اور اپنے لیے خود ہی بہترین آئین حیات تجویز کرسکتا ہوں تو یہ اس کی کج بحثی،کم فہمی اور عاقبت نا اندیشی ہے۔انسان کو کامیاب اور پرامن زندگی گزارنے کیلئے جس راہنمائی اور روشنی کی ضرورت ہے وہ انسانوں اور تمام جہانوں کا خالق اور ربّ ہی عطا کرسکتا ہے۔انسانی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ دنیا کی جن اقوام نے فیضانِ سماوی سے منہ موڑ کر عقل بے مایہ کی راہنمائی میں اپنے لیے آئین سازی کی ،انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں کیونکہ انسانی عقل کی اپنی حدود وقیود ہیں۔جو عقل مادّی کائنات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی وہ مادّے سے ماوراانسانی حقیقت کی راہنمائی اور امامت کے فرائض کیوں کر انجام دے سکتی ہے انسان کی محدود سوچ اور ناقص عقل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّ هُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَ عَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

’’عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

عقل کے پیش کردہ نظریات کی ناپائیداری کی کیفیت یہ ہے کہ ہر دور کا انسان اپنے آباؤ اجداد کے معاشی، معاشرتی اور سائنسی خیالات کو دوراز کار اور فرسودہ قرار دے کر ردّ کرتا رہا ہے گویا کہ انسانی عقل اپنے ہی قائم کردہ گزشتہ نظریات کو غلط ثابت کر کے اپنی ناپختگی اور کم مائیگی کا ثبوت فراہم کرتی رہتی ہے اور اپنی متلون سوچ کی وجہ سے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتی چلی جاتی ہے۔ عقل ہی کو سب کچھ سمجھنے والے یورپی عمائدین اور سائنسی عقائد کے اماموں مثلاً ’’ڈارون، فرائڈ اور مارکس وغیرہ نے انسانی نفس کی گھٹیا اور حیوانی جبلتوں کے علم کو ہی علم کل سمجھ کر انسان کو حیوان محض اور سفلی خواہشات، جنسیت اور ہوا و ہوس کا مستقل غلام قرار دے دیا ہے۔ اس تباہ کن سوچ نے مذہب سے آزاد مادّہ پرستوں کو کام و دہن اور جنسی لذتوں کا والہ و شیدا بنا دیا اور وہ مذہب کی پاکیزہ اور اعلیٰ قدروں سے دستبردار ہو کر حیوانیت کی سطح پر گر گئے۔ تہذیب و تمدن کے قائم کردہ قدیم ادارے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔

شادی بیاہ کو ایک فضول رسم قرار دے کر خاندانی زندگی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ حدود و قیود سے عاری اور بے لگام آزادی کی لہر نے حیوان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ مردوں کی مردوں سے اور عورتوں کی عورتوں سے شادی کو جائز قرار دے دیا۔ بے روک ٹوک جنسی تعلقات، اسقاطِ حمل، ناجائز بچوں، منشیات کے کھلے استعمال اور ہر قسم کے عقیدے کی آزادی

،یہاں تک کہ شیطان کی پوجا کرنے والوں کے چرچ کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی ۔ بے راہ روی کے اس طوفان کے ہولناک نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں پھر بھی مادہ پرست انسان ترقی پسندی کے شوق میں ذلت اور گناہ کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب نے اگر وحی الٰہی ،آخرت پر ایمان اور روحانیت کا دامن نہ تھاما تو اس کا انجام یقینی تباہی ہوگا ۔صرف عقل کے بل بوتے پر آگے بڑھنے والے موجودہ دور کے انسان کی حالت زار بیان کرتے ہوئے ضرب کلیم میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

عشق ناپید و خرد می گزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اسوۂ نبوی ﷺ اور ہماری زندگی

(محمد انصاراللہ قاسمی)

زندگی، اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے، اس نعمت کی حفاظت اور قدر دانی صرف یہ نہیں ہے کہ ''حفظان صحت'' کے اصولوں اور ضابطوں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے سختی سے ان کی پابندی کی جائے، بلکہ زندگی کی اصل قدر دانی یہ ہے کہ ''الٰہی اصولوں'' اور خدائی ضابطوں'' کے مطابق گزاری جائے، زندگی پوری اللہ تعالی کی شکر گزاری اور اُس کی اطاعت وفرمانبرداری میں بسر ہو، زندگی گزارنے کے ان ''خدائی ضابطوں'' کو زبانی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی سمجھانے اور بتانے کیلئے انبیاء کرام کی تشریف آوری ہوئی، انبیاء کرام نے اپنی آسمانی تعلیمات اور ہدایات میں زندگی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ کیا، افکار و نظریات سے لے کر خیالات و جذبات، احساسات اور نفسیات تمام چیزوں کو خدائی تعلیمات کا پابند بنایا ہے، زندگی کے تمام نشیب وفراز، خوشی، غمی، امیری، فقیری، تندرستی، بیماری، دوستی، دشمنی، غصہ و ناراضگی و ہمدردی و غم خواری، غرض یہ کہ زندگی کے تمام مراحل میں انسان کو اپنے پروردگار اور پالنہار کی رضا، خوشنودی کا پابند کیا، اسی لئے قرآن مجید میں، فرمایا گیا کہ تمہارے لئے زندگی گزارنے کا بہترین اسوہ اور نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور نبوت محمدی ﷺ چونکہ تا قیامت پوری انسانیت کیلئے باقی اور کافی ہے، اس لئے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ زندگی کے ہر گوشہ

اور پہلو سے کامل اور مکمل ہو، تا کہ دنیا میں جہاں کہیں انسان رہتے اور بستے ہیں ان سب کیلئے آپ ﷺ کی ذات لائق تقلید اور قابل عمل بن سکے۔ سیرت طیبہ ﷺ کا تعلق لکھنے پڑھنے اور سننے سنانے سے زیادہ ہماری عملی زندگی سے ہے کہ ہم نے کہاں تک اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنی زندگی میں برتا اور اپنایا ہے؟ ایک مسلمان زندگی کے کسی پہلو پر جب کچھ سوچتا ہے یا کسی شعبہ میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اس بارے میں اسوۂ نبوی ﷺ کیا ہے؟ پھر وہ اپنا قدم آگے بڑھاتا ہے اور یہی حقیقت ہے، آپ ﷺ کو اپنی زندگی کا بہترین آئیڈیل اور نمونہ ماننے کی۔

یوں تو سیرتِ مبارکہ کے بہت سے گوشے اور پہلو ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، تاہم غصہ اور ناراضگی، یہ بھی انسانی زندگی کا ایک پہلو ہے، اس پہلو کے لحاظ سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس بارے میں اسوۂ نبوی ﷺ کیا ہے اور نبی ﷺ ناراضگی اور غصہ کا اظہار کب فرماتے تھے؟ حضرت حسنؓ بن علیؓ اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”آپ ﷺ نے اپنے اوپر زیادتی کا کبھی بدلہ نہیں لیا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اُمور کی پامالی ہونے لگے، جب اللہ کے احکام کی پامالی ہوتی تو آپ ﷺ سب سے زیادہ غضبناک اور ناراض ہوتے ......

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپسی پر ببول کے درخت کے سایہ میں آرام فرما تھے، ایک مشرک نے دیکھا کہ آپ ﷺ تنہا آرام فرما رہے ہیں۔ وہ اپنا برا ارادہ (قتل) کے ساتھ قریب آیا اور درخت سے لگی آپ ﷺ کی تلوار نکال لی، اتنے میں نبی کریم ﷺ بیدار ہو گئے، مشرک نے پوچھا: اے محمد ﷺ! بتاؤ آج تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پورے اطمینان سے فرمایا: ”**اللہ**“ اس لفظ کو سنتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا،

تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، نبی کریم ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لیکر پوچھا: اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ مشرک نے جواب دیا: آپ ﷺ مہربان ہیں، معاف کرنے والے ہیں! اس پر آپ ﷺ نے اسکو معاف فرمادیا۔ (ریاض الصالحین)

دوسری مثال یہ کہ ایک مرتبہ مکہ میں اعلیٰ خاندان کی خاتون فاطمہ بنتِ اسد چوری کے الزام میں گرفتار ہوئیں اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے قبیلہ کے ذمہ داروں نے سوچا چوری کے جرم میں خاتون کا ہاتھ تو کیا کٹے گا مگر خاندان کی ناک ضرور کٹ جائے گی اور ہماری مکہ میں نیک نامی اور عزت، وجاہت خاک میں مل جائے گی، پھر ان لوگوں نے خاتون کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے چہیتے غلام حضرت اُسامہؓ کو سفارش کیلئے تیار کیا، حضرت اُسامہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں جب سفارش کی بات رکھی تو آپ ﷺ کا چہرہ انور سُرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''اُسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں مجھ سے سفارش چاہتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوگئے کہ اگر ان میں طاقتور مالدار شخص جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب کمزور جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر چوری کرنے والی خاتون فاطمہ بنتِ اسد کے بجائے فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی ہوتی تو میں اس پر بھی سزا نافذ کرتا۔'' (ریاض الصالحین)

سیرتِ مبارکہ کی یہ دو مثالیں ہیں: جن میں غصہ و ناراضگی کا موقع و محل واضح ہے، وہ یہ کہ اگر اپنی ذات یا حیثیت تک کوئی ناگواری، تکلیف یا ایذاء رسانی کی بات ہوتی تو آپ ﷺ اس کو برداشت کر لیتے اور اس کا بدلہ نہ لیتے، البتہ دین و شریعت کی پامالی، بے حرمتی یا بے احترامی کی اگر بات ہوتی تو آپ ﷺ کو ذرہ برابر برداشت و گوارا نہیں ہوتا اور آپ ﷺ

ذرا بھی رعایت نہیں فرماتے۔

یہاں رُک کر ہمیں اپنی حالت اور طبیعت کا جائزہ لینا چاہیے اور اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ ہم نے دین وشریعت کے معاملہ میں اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنی زندگی میں کہاں تک اپنایا ہے؟ اپنی ذات پر کوئی حرف آئے یا اپنے مقام ومرتبہ پر کوئی آنچ آئے تو ہم مرنے مارنے پر تُل جاتے ہیں اور اگر ہماری نگاہوں اور نظروں کے سامنے اسلامی تعلیمات اور احکامات کی پامالی و بے حرمتی ہو تو ہم خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، بچہ اگر کسی دن ٹیوشن ناغہ کردے تو اس کی تنبیہ کی جاتی ہے، اسکول کا ہوم ورک کسی دن نہ کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے، شرارت کرنے پر بعض دفعہ مار پیٹ ہوتی ہے، قیمتی چیز کے ٹوٹ جانے یا گم ہونے پر غم وغصہ اور ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے، لیکن کیا کبھی بھول کر اور انجانے میں ہی سہی، ایسا بھی ہوا کہ بچہ یا ماتحت فرد کے نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کی گئی ہو، کسی دن قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے پر ڈانٹ پڑی ہو، نبی کریم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی پر غم وغصہ کا اظہار ہوا ہو، معاشرہ اور سماج میں تو شرعی احکام کی پامالی ہو ہی رہی ہے، مگر خود اپنے گھروں سے بھی تو اسلامی تعلیمات کا جنازہ نکلا جا رہا ہے، ہم ہی اس کو کاندھا دیتے ہیں اور بعض دفعہ ''جلوس جنازہ'' کے امیر اور قائد بھی ہم ہوتے ہیں، مگر کانوں پر جوں نہیں رینگتی اور یوں سمجھتے ہیں کہ ناک پر مکھی بیٹھی اور اُڑ گئی، اسوۂ نبی ﷺ کا پیغام یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالیں اور سنواریں، اللہ کرے!! یہ پیغام ہمارے دل کے دروازے پر دستک دے، بجائے اس کے کہ طبیعت ہماری شریعت بن جائے اور ماضی قریب کے خدامست بزرگ کے بقول: ''شریعت ہماری طبیعت بن جائے۔'' **آمین!**

نرم خوئی اور برد باری

(پیر خان توحیدی)

نرمی اور بردباری اخلاق انسانی کا وہ سدا بہار پھول ہے جس کی مہک دلوں کو مسحور کرتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی خوشبو اسے معطر بناتی ہے۔ معاشی اور معاشرتی زندگی کے معاملات میں سختی اور سخت گیری کی بجائے نرمی اور بردباری اختیار کی جائے۔ نرم اور شیریں گفتگو کے ذریعے ہر قسم کے حالات اور معاملات کا احسن طریقے سے حل نکالا جا سکتا ہے۔ نرمی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے سوالات کا جواب دینا ایسا طرز گفتگو ہے جو دلوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ دشمنوں کو دوست بناتا ہے یہاں تک کے پتھر کو بھی موم کر لیتا ہے۔ اس صفت کا بدرجہ اتم ظہور ربّ کائنات سے ہوتا ہے کہ بندوں کو ان کی خطاؤں اور گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا، انہیں ڈھیل دیتا ہے بار بار سمجھاتا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: "اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے اور ان کی روزی بند نہیں کرتا" (شوریٰ ۱۹)

اللہ ربّ العزت اپنی اس صفت کو اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ بھی نرمی اور رحم دلی کا ثبوت پیش کریں جو ان کی عزت اور عظمت کی دلیل ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نرم خو ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے"

(ریاض الصالحین)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے بندوں سے یوں فرماتا ہے:

ترجمہ: "نہیں چاہیے کہ اپنے بھائی بندوں کو معاف کردیں (ان کے ساتھ نرمی اور مروت کا معاملہ کریں) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بھی معاف کردے"۔

بھلا کون ہے جسے اللہ تعالیٰ سے معافی درکار نہیں؟ ہر انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ قدم قدم پر اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ باری تعالیٰ اس کی خطاؤں اور گناہوں سے صرف نظر کردے، لیکن اس مٹی کے پتلے میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور نرم دلی کا جذبہ اس وقت بیدار ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو سامنے رکھتا ہے۔ کوئی شخص چاہے کتنا بھی آسودہ حال ہو پھر بھی زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی نہ کبھی اسے کوئی پریشانی، کوئی مصیبت یا کوئی جسمانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اس کا کوئی غم گسار کوئی ہمدرد اٹھے جو اس کے زخموں پر رحم دلی کی پٹی لگائے اس کی تسلی و تشفی سے دل جوئی کرے۔ ایسے غم خوار کے لیے نبی اکرم ﷺ کی یہ خوش خبری ہے۔ "جس شخص میں مندرجہ ذیل یہ تین خصلتیں ہوں گی اللہ ربّ العزت اپنے سایہ رحمت کو اس پر پھیلا دے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

۱) کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنا۔

۲) ماں باپ کے ساتھ مہربانی اور مروت سے پیش آنا۔

۳) خادم اور غلام پر احسان کرنا (ترمذی)

اس اخلاقی وصف کی تعلیم آپ ﷺ نے دوسرے الفاظ میں یوں فرمائی:

ترجمہ: کیا میں تجھے بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے!

"وہ شخص جو لوگوں سے قریب ہو، نرم خو اور آسانیاں پیدا کرنے والا ہو"

نرم خو اور نرم دلی کا پیکر خود رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک تھی ۔ دعوت حق پھیلانے میں آپ ﷺ کو کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں نہ دی گئیں مگر آپ ﷺ نے اینٹ کا جواب پتھر سے کبھی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ کلمہ خیر اور دعائے سعید سے دیا۔

قرآن حکیم آپ ﷺ کی نرم دلی اور بردباری کی یوں شہادت دیتا ہے:

”اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان کے حق میں (یعنی اللہ کے بندوں کے حق میں)نرم مزاج واقعہ ہوئے ہیں اگر آپ ﷺ تند مزاج اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ ﷺ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے“۔ یہ آیت مبارک اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ داعی حق کو نرم مزاج، بردبار ہونا چاہیے ورنہ تبلیغ کا اثر رائیگاں جاتا ہے۔ دعوت حق پیش کرتے وقت اس کی زبان سے محبت اور مٹھاس کے پھول جھڑنے چاہئیں۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ اور ان کے برادر سیدنا ہارونؑ کو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ فرعون جیسے ظالم اور سنگ دل بادشاہ کو حق بات پیش کرتے وقت نرم لب ولہجہ اختیار کریں شاید وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔ قرآن کریم کی بلند اور پاکیزہ تعلیم میں داعی کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ تمہارا مخاطب اگر سخت اور درشت بات بھی کرتا ہے تو اس کے جواب میں تم بہتر اور بھلی بات کرو۔ عین ممکن ہے کہ اس کی دشمنی تمہاری دوستی میں تبدیل ہو جائے۔ **سورۃ حٰم سجدہ** آیت نمبر 34 میں یوں حکم ہوتا ہے۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ! نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتیں۔ آپ ﷺ بدی کا ایسی بات سے دفاع کیجیے جو اچھی ہو آپ ﷺ دیکھیں گے کہ جس شخص کی آپ ﷺ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ ﷺ کا گہرا دوست بن گیا ہے۔

آپ ﷺ کا حلم بردباری عفو درگزر نرم دلی اور نرم خوئی کا سب سے بڑا مظاہرہ

فتح مکہ کے دن ہوا۔وہ لوگ جنہوں نے مسلسل تیرہ سال آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو دکھوں تکلیفوں اور پریشانیوں سے دوچار کر رکھا تھا۔آج وہ مکمل طور پر آپ ﷺ کی گرفت میں تھے۔آپ ﷺ ان کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔لیکن آپ ﷺ نے جس فراخ دلی اور نرمی کا سلوک ان سے کیا وہ تاریخ انسانی کی ایک نادر مثال ہے۔فضاء میں جب یہ صدا بلند ہوئی۔اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں انہوں نے کہا،''اچھا،آپ ﷺ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحب زادے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔لوگ اسے پکڑ کر مارنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور وہاں پانی کا ڈول بہا کر جگہ پاک کر لو۔تمہیں سختی کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ راحت اور آسانیوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انتہائی شفقت سے اس شخص کو سمجھایا اور آداب مسجد بتائے جس سے اس پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

اسی طرح کاروبار اور تجارت میں جو لوگ گاہک کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں ان کی تجارت پھیلتی پھولتی ہے جبکہ درشت رویہ اختیار کرنے اور اکڑ خوائی کرنے سے گاہک اپنا رخ پھیر لیتے ہیں۔اور کسی دوسری طرف چل پڑتے ہیں۔اسلام تو حکمرانوں کو بھی نرم رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قانون کو کمزور اور بے اثر بنا دیں بلکہ نرمی اس معنی میں ہے کہ وہ مظلوموں کی دادرسی کریں۔یتیموں اور بیواؤں کے پرسان حال بنیں۔ بے کس اور بے بس انسانوں کی مدد کریں۔عدل وانصاف کا ایسا نظام

قائم کریں کہ ہر شخص سکھ اور چین کا سانس لے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبیﷺ سے اپنے ہی گھر میں سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اے اللہ جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان پر سختی کرے تو، تو ان پر سختی فرما اور جو میری اُمت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس سے نرمی سے پیش آ۔ نرم خوئی اور نرم دلی زندگی کا وہ سنہرا اصول ہے جسے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی شان جھلکتی ہے اور وہ زندگی کے سفر میں نہ صرف اپنوں کیلئے بلکہ غیروں کے لیے بھی باعث رحمت بنتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج عدم برداشت، سختی، غصہ اور عدم بردباری سے ہماری معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی تہہ و بالا ہو چکی ہے۔ گھروں، بازاروں میں فساد عدالتوں اور ایوانوں میں جھگڑے یہاں تک کہ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں بھی امن اور سلامتی محفوظ نہیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی کتاب تعمیر ملت صفحہ نمبر 237 معاملات اور اخلاق و آداب کے باب میں فرماتے ہیں: ''اگر کوئی آدمی اپنے کسی حق کو نرمی، خوش اسلوبی اور بخوشی خاطر ادا کردے تو یہ اخلاق حسنہ یا خوش اخلاقی کہلائے گا۔ اور اس آدمی کو خوش اخلاق کہا جائے گا۔ لیکن جو آدمی سختی و درشتی، بدسلوکی کراہت یا لیت و لعل سے کرے تو اس طریقہ کو بداخلاقی اور ایسے آدمی کو بداخلاق کہا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نرمی اور بردباری ہی وہ خوبصورت اصول ہے جو انسانوں کے اخلاق کو سنوارتا ہے جس سے محبت اور پیار کی فضاء پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت تمام مسلمانان عالم اور خصوصی طور پر توحیدی بھائیوں کو نرمی، بردباری اور خوش اخلاقی کے اصولوں کو اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین

تبلیغ دین

(بنت الاسلام)

تزکیہ نفس کے سلسلے میں آخری مگر ازحد اہم بات یہ ہے کہ اپنے نفس کے تزکیہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کے نفوس کے تزکیے کی کوشش بھی جاری رکھی جائے ،یعنی دین کی تبلیغ کا کام بھی ساتھ ساتھ کیا جاتا رہے ۔بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنا اور دین کی تبلیغ کرنا ،دو علیحدہ علیحدہ کام ہیں مگر درحقیقت یہ دونوں چیزیں ایک ہی کام کے دو حصے ہیں ۔ سورہ آل عمران، آیت 110 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"(اب دنیا میں وہ) بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کیلئے میدان میں لایا گیا ہے ۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اب اگر مسلمانوں نے لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ سر انجام دینا ہے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ خود نیکی کے عامل بنیں اور برائی سے رک جائیں کیونکہ جب تک وہ خود ایسا نہ کریں گے دوسروں پر ان کی تبلیغ کچھ اثر نہیں کرے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو بے عمل انسان کی زبان میں اثر نہیں ہوتا ،دوسرے جب لوگ دیکھیں گے کہ نیکی کی طرف دعوت دینے والے کی اپنی زندگی نیکیوں سے خالی ہے تو وہ کاہے کے لئے اس کی نصائح پر کان دھریں گے ۔گویا تزکیہ نفس تبلیغ دین ہی کا ایک حصہ ہے۔

اب دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنے والا ہی نیک صفات جنہیں وہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگر دوسروں کے سامنے بھی

پیش کرتا رہے تو وہ چیزیں اس کے اپنے دل میں زیادہ اچھی طرح نقش ہو جاتی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

" تبلیغ کرنے سے وہ بات اپنے دل میں پختہ ہو جاتی ہے ۔دوسرے کو تسلی دینے سے اپنے دل کو تسلی آ جاتی ہے،دوسرے کی ہمت بندھانے سے اپنی ہمت بندھ جاتی ہے"۔

گویا تبلیغ دین تزکیہ نفس ہی کا ایک حصہ ہے۔!

اسطرح یہ دونوں عمل یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے کی کوشش اور دین کی تبلیغ کرنے کی سعی ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں اور دونوں مل کر مسلمان کے عظیم مقصد زندگی کے دو حصے بن جاتے ہیں اور وہ مقصد زندگی کیا ہے؟ اللہ کی مخلوق کو اللہ کے احکام کی پابند بنانے کی سعی۔

انسان اپنے ماحول سے بہت متاثر ہوتا ہے ۔محسوس یہ کیا گیا ہے کہ ماحول کی اچھائیوں کی بہ نسبت اس کی برائیاں زیادہ جلدی اثر انداز ہوتی ہیں ۔لہٰذا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ہے، اسے ساتھ ساتھ اس ماحول کو بھی پاک کرنے کی سعی جاری رکھنی چاہیے جس میں وہ رہ رہا ہے ۔ورنہ ماحول کا اثر اس کی تزکیہ نفس کی بہت سی کوششوں کو ساتھ ساتھ ضائع کرتا رہے گا۔ اب یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کی ماحول کو درست کرنے کی کوشش سو فیصد کامیاب ہی ہو جائے مگر یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ وہ سو فیصد ناکام بھی نہیں رہے گی ۔ خلوص دل سے کی ہوئی کوشش ضرور نتائج پیدا کرتی ہے اور ان نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ ماحول کی اصلاح کی کوشش کرنے والا شخص اپنی اس کوشش کی برکت سے خود ماحول کے برے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے جو عبادات ہم پر فرض کی ہیں اور جو بڑے بڑے حکم دیے ہیں وہ

صرف ثواب ہی نہیں لاتے بلکہ اصلاحِ نفس پر بھی براہ راست اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً:

☆ نماز غفلت کو دور کرتی ہے۔

☆ روزہ خواہشات کا زور توڑتا ہے۔

☆ زکوٰۃ دولت کی حرص اور لالچ کو ختم کرتی ہے۔

☆ حج ان تینوں اقسام کے نتائج پیدا کرتا ہے۔

☆ تبلیغ دین ماحول کے برے اثرات سے بچاتی ہے۔

دین کی تبلیغ تزکیہ نفس کی جدو جہد پر ایک اور طریقے سے بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب انسان بیک وقت دو مشکل کام شروع کرتا ہے تو دونوں میں سے جو مشکل تر ہوگا اس کے مقابلے میں نسبتاً کم مشکل کام آسان لگنے لگے گا۔ چاہے فی نفسہ وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ اب تزکیہ نفس اور تبلیغ دین دونوں ہی مشکل کام ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تبلیغ دین مشکل تر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تزکیہ نفس میں انسان کا معاملہ اپنے آپ کے ساتھ ہوتا ہے مگر تبلیغ دین میں اسے دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ اب جب انسان کا اپنا آپ بھی اس کی بات آسانی سے نہیں مانتا تو دوسرے تو پھر دوسرے ہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی بات پر کان دھریں اور اصلاح کی طرف مائل ہو جائیں مگر یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی بات سننے کے بھی روادار نہ ہوں۔ اب اگر اپنا دل نیکی کی طرف نہ آتا ہو تو انسان اسے مجبور بھی کرسکتا ہے مگر دوسروں پر انسان کا کوئی زور نہیں ہوتا کہ وہ انہیں مجبور کر کے نیکی کی طرف لا سکے۔ ان کا جی چاہے گا تو وہ آپ کی بات مانیں گے نہیں چاہے گا تو نہیں مانیں گے۔

ایسی صورت میں پھر انسان کو اس بات کا گہرا احساس ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس

فی نفسہٖ چاہے کتنا ہی مشکل کام کیوں نہ ہو لیکن تبلیغ دین کے مقابلے میں بے حد آسان ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے کسی شخص کے ساتھ جد و جہد شروع کر رکھی ہے کہ کسی طرح وہ اپنے پیسے کی زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کی فرضیت کو سمجھ لے اور زکوٰۃ ادا کیا کرے۔ مگر وہ ہے کہ بہانوں پر بہانے اور کٹ حجتیوں پر کٹ حجتیاں کیے چلا جا رہا ہے اور کسی طرح بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف نہیں آتا۔ اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ خود زکوٰۃ ادا کرنا کتنا آسان کام ہے۔!

یہی حال دین کے دوسرے اوامر اور نواہی کا سمجھ لیں۔ ان پر عمل کروانے کی کوشش میں مصروف ہو کر پتہ چلتا ہے کہ خود ان پر عمل کرنا نسبتاً کتنا سہل ہے۔ اب جو شخص صرف اصلاحِ نفس ہی کو مقصد بنائے رکھے گا اور دوسرے انسانوں کی اصلاح کو اپنی ذمہ داریوں سے خارج سمجھے گا اس کے لئے پھر اصلاحِ نفس ہی بہت بڑا مشکل کام بن جائے گا۔ مگر جو اس مشکل کام کے ساتھ مشکل تر کام کو بھی شامل رکھے گا۔ اسے اپنے اس مشکل تر کام کے مقابلے میں اصلاحِ نفس کا کام آسان معلوم ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ جد و جہد کرنے والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ اپنے آپ کے ساتھ جد و جہد کرنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے جب ہم صرف یہی کام کر رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس کہ اصلاحِ نفس تو ایک آسان کام ہے اصلاحِ نفس کی رفتار کو تیز کرتا ہے

اللہ کے دین کو اللہ کی مخلوق تک پہنچاتے رہنا وہ ضروری کام ہے جس سے غفلت برت کر مسلمانوں نے ہمیشہ عذاب سہے ہیں اور انواع و اقسام کی الجھنوں اور پریشانیوں کا سامنا کیا ہے

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا کلام اس کے خلاف ہی جاتا ہے اس کے حق میں نہیں جاتا۔ سوائے اس کے کہ

(وہ کلام یہ ہو کہ)نیکی کا حکم دیا جائے ،برائی سے روکا جائے اور اللہ عزوجل کا ذکر کیا جائے ۔

(ابن ماجہ)

آخر میں اس ساری بحث کے خلاصے کے طور پر اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ تزکیہ نفس کے سلسلے میں یہ سات امور ایسے ہیں کہ جو شخص بھی ان پر کماحقہ عمل کرے گا اس کے لئے یہ کٹھن کام بہت حد تک سہل ہو جائے گا۔یعنی جو شخص:

☆ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے گا۔

☆ جو اپنے کیے پر شرمسار ہو کر توبہ اور استغفار کرتا رہے گا۔

☆ جو نفس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور اس کو قابو میں رکھے گا۔

☆ جو نیک صحبت میں بیٹھے گا۔

☆ جو اپنی زبان کی حفاظت کرے گا۔

☆ جو آخرت کی جواب دہی کا گہرا احساس رکھے گا۔

☆ اور جو دین کی تبلیغ کرتا رہے گا۔

اس کی تزکیہ نفس کی راہیں اس کی توقع سے زیادہ ہموار اور آسان ہو جائیں گی!۔

اَمر بالمعروف اور نہی عَنِ المنکر مسلم معاشرے کی پہچان

(امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ترجمہ :محمد عبدالہادی العمری)

(ازخطباتِ حرم)

"ہر قسم کی حمد اللہ ہی کیلئے ہے جس نے اس اُمت کو بہترین اُمت ہونے کا شرف بخشا۔وہ بہترین اُمت جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے، بُرائی سے منع کرے اور اللہ پر ایمان رکھنے والی ہو۔میں اسی اللہ کی تعریف کرتا ہوں اور اس کی ان گنت نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔اللہ نے نیکی اور اصلاح کی دعوت دینے والوں کیلئے خیر اور بھلائی کے راستے مقرر فرمائے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں جنھوں نے دعوت اور جہاد کا علم بلند کیا ۔اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتیاں ہوں آپ ﷺ پر، آپ کی آل پر اور اصحاب پر جنھوں نے آپ کی ہدایت کی پیروی کی اور قیامت تک آنے والے ان سب لوگوں پر جو آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔" حمد وصلاۃ کے بعد:

برادرانِ اسلام! اُمتِ مسلمہ کی اہم صفات یہ ہیں کہ ہم اللہ عزوجل پر ایمان رکھیں ،اس کے دین کی طرف دعوت دیں اور بندوں کے ساتھ بھلائی ،خیر خواہی ،تقویٰ اور پرہیز گاری سے پیش آئیں ۔ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کریں تا کہ نیکی کا اُجالا عام ہو۔شر کی روک تھام کی جائے تا کہ معاشرہ بگاڑ اور فساد سے پاک رہے۔یہ اُمتِ مسلمہ محمد ﷺ کی اہم صفات ہیں،فرمان الٰہی ہے:

"تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کیلئے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، یعنی نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہماری اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اسی مقصد کیلئے تمام انبیائے کرام کو مبعوث کیا گیا۔ یہ فرض عین ہے اور اس قدر زبردست اہمیت والا کام ہے کہ بعض لوگوں نے تو اسے اسلام کا چھٹا رکن تک قرار دے دیا کیونکہ اس کی تکمیل کے بغیر ہم اپنا مقصد تخلیق پورا نہیں کر سکتے اور اس فرض کی انجام دہی میں تساہل برتنے سے ہر سطح پر خطرناک اثرات مرتب ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا موجب ہوں گے۔ اس فرض کی انجام دہی میں غفلت سے افراد اور سوسائٹی دونوں بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان کی علامت ہے اور اسے ترک کرنا منافقت کی نشانی ہے، فرمان الٰہی ہے:

"منافق مرد اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں (سب ایک جیسے ہیں) وہ برے کام کا حکم دیتے ہیں اور نیک کام سے روکتے ہیں۔"

جبکہ مومن اس کے برعکس ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

ترجمہ: "مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔"

اس فرض کو ادا کرنا اللہ کی نصرت اور مدد حاصل کرنے کا یقینی ذریعہ اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کا بے خطا طریقہ ہے، فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: "اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا، بے شک اللہ

یقیناً بہت قوت والا، خوب غالب ہے۔ (یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

نیکی کی دعوت دینا اور بُرائی سے روکنا جہاں زبردست کامیابی کا ضامن ہے، وہیں اس کا ترک کرنا تباہی کا پیش خیمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: "پھر جب انھوں نے وہ باتیں بھلا دیں جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے روکتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا جنھوں نے زیادتی کی تھی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔"

لہٰذا نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا بہترین عمل اور اہم ترین فریضہ ہے۔ اس امر کی تاکید قرآن کی کئی آیات اور احادیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

ترجمہ: "اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"تم میں سے جو بھی برائی دیکھے، وہ اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر یہ نہیں کر سکتا تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنے دل میں (اسے بُرا جانے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"

ایک اور حدیث میں کہا گیا کہ ان تین درجات کے بعد ایمان کا کوئی معمولی درجہ بھی نہیں ہے۔ حضرت حذیفہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور لوگوں کو نیکی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے یا (اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب مسلط کر دے، پھر تم اُسے پکارو گے لیکن وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بنی اسرائیل کی پہلی خرابی یہ تھی کہ کوئی شخص کسی کو برائی کرتے پاتا تو اسے کہتا کہ اے فلاں! اللہ سے ڈر اور اپنی حرکت سے باز آ! کیونکہ یہ کام تیرے لیے حلال نہیں، پھر وہی شخص دوسرے دن اس سے ملتا اس کے ساتھ کھانے پینے اور بیٹھنے اٹھنے سے اسے اس کا یہ برا عمل رکاوٹ نہ بنتا تھا، جب ان کی یہ کیفیت ہوگئی تو (ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا) اللہ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے پر دے مارا (ان کے اندر اختلاف، تنازعے، بغض اور حسد پیدا ہوگیا، ان میں سے اتفاق، اتحاد اور الفت اٹھالی گئی)۔''

پھر آپ نے قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت فرمائی:

ترجمہ: ''بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کیونکہ انہوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا، بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔ آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا۔ بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کیلئے آگے بھیجا کہ اللہ ان سے ناراض ہوگیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! تمہیں ضرور نیکی کا حکم کرنا ہوگا، بُرائی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا اور اسے حق قبول کرنے پر آمادہ کرنا اور حق کے آگے جھکانا ہوگا۔“ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

ترجمہ: ”ورنہ اللہ تمہارے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پھیر دے گا، پھر تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے کہ اُن پر لعنت کی۔“

معزز بھائیو! بدی کی مثال سوسائٹی کیلئے ایسی ہی ہے جیسے ایک موذی مرض جسم کے کسی حصے کو لاحق ہو جائے۔ اگر بروقت اس کے علاج اور روک تھام کی تدبیر نہ کی جائے گی تو اس کے جراثیم مریض کے سارے جسم میں پھیل جائیں گے، پھر اس کا علاج ممکن نہیں رہے گا۔ اسی طرح بُرائیاں سوسائٹی کو تباہ کر دیتی ہیں اور اگر بروقت ان کے روک تھام کی کوشش نہ کی گئی تو پھر یہ برائیاں اتنی عام ہو جائیں گی کہ ان کا علاج محال ہو جائے گا اور ان کے نقصانات تمام لوگوں میں سرایت کر جائیں گے۔ اس کی رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی عمدہ مثال بیان فرمائی:

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدود کی پاسداری اور پامالی کرنے والے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو کسی (دو منزلہ) کشتی (میں سفر کرنے) کے لیے قرعہ اندازی کرتے ہیں، کچھ لوگ بالائی منزل میں جگہ پاتے ہیں اور کچھ نچلی منزل میں، نچلی منزل میں رہنے والوں کو پانی لینے کیلئے اوپر جانا پڑتا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم (اوپر جا کر پانی لینے کے بجائے) کیوں نہ نیچے ہی سوراخ کر لیں (تاکہ ہمیں آسانی سے پانی مل جایا کرے) اور اوپر والوں کو تکلیف بھی نہ پہنچائیں، تو اگر وہ کشتی میں سوراخ کر لیں اور بالائی منزل والے انھیں منع نہ کریں تو سب کے سب ڈوب مریں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو سب محفوظ رہیں گے۔“

علمائے کرام نے ہر دور میں اس مسئلے پر زور دیا، امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کی پہچان ہے، یہ اہم کام جو تمام انبیائے کرام کا اوّلین مقصد رہا ہے، اگر دانشورانِ ملت اس اہم فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو علم و عمل کی بساط لپیٹ دی جائے گی، نبوت کا مقصد ختم ہو جائے گا، دین داری کے بجائے فسق و فجور کا بازار گرم ہونے لگے گا۔ ہر سو جہالت اور تاریکی پھیلے گی جس کے مہلک اثرات افراد اور علاقوں کو تباہ کر دیں گے اور پھر آخرت میں اس کی سخت باز پرس ہوگی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسی عظیم الشان ذمہ داری ہے کہ اسی مقصد کے لیے آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور اسی نصب العین کیلئے انبیائے کرام تشریف لاتے رہے۔ فی الجملہ یہ کام دین کی بنیاد ہے۔'' امام نوویؒ نے فرمایا:

ترجمہ: ''یہ ایسی زبردست ذمہ داری ہے کہ دین کی تمام باتوں کا دارومدار اسی پر ہے، لہٰذا آخرت کی نجات کے آرزومند اور رضائے الٰہی کے متلاشی کیلئے ضروری ہے کہ اس کام پر توجہ دے کیونکہ اس کے فائدے بہت زیادہ اور ہمہ جہت ہیں۔''

برادرانِ اسلام! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ ''المعروف'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہو، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو، اقوال سے یا اعمال سے یا حسنِ اخلاق اور زندگی کے عام برتاؤ سے، یہ سب معروف کے حکم میں ہیں۔ اور ''المنکر'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا اور اس کی بدترین قسم عقیدے کے معاملے میں پائی جانے والی خرابیاں اور بدعات وغیرہ ہیں۔ اسی طرح کبیرہ گناہ بھی منکرات میں داخل ہیں۔

معروف کا پرچار اور منکر کی روک تھام کسی ایک یا چند مخصوص آدمیوں کی ذمہ داری نہیں

بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی صلاحیت واستطاعت کے مطابق اس میں حصہ لے لیکن علمائے کرام اور صاحبِ اثر ورسوخ لوگوں کی ذمہ داری عام افراد کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

ایک باپ اپنی اولاد اور گھر کے تمام افراد کا ذمہ دار ہے۔ایک معلم اپنی درسگاہ کا، ایک ملازم اپنے دائرہ عمل کا اور ایک تاجر مارکیٹ کا ذمہ دار ہے۔غرض ہر شخص اپنے اپنے دائرہ عمل میں اس ذمہ داری کو ادا کرنے پر مامور ہے کیونکہ ہر فرد اپنی جگہ ایک ذمہ دار شخص ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے پوچھا جائے گا۔ایک مسلمان جہاں بھی جب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت محسوس کرے تو فوراً اس پر عمل کرے کیونکہ وہ اُمت کا ایک حصہ ہے۔جب امت کو مرض لاحق ہوگا تو اس کی تکلیف سے ہر فرد متاثر ہوگا۔

اے فرزندانِ امتِ محمدیہ! اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو! ورنہ اس وقت ہمیں جو چیلنج درپیش ہیں اور وقت کے جو تقاضے ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں، ہم ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری عزت وسرفرازی صرف دین حنیف سے وابستگی کے ساتھ مشروط ہے۔لہٰذا معروف کو عام کرنے اور منکر کو روکنے کی ذمہ داری نبھائے بغیر ہم موجودہ بحران سے نہیں نکل سکتے لیکن اس اہم فریضے کو انجام دینے کے لیے اس کے لازمی اجزاء کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ورنہ کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔نرمی، بردباری، پیار، محبت اور حکمت اس میدان کے مؤثر ہتھیار ہیں،ان سے لیس ہوئے بغیر کامیابی محال ہے۔

عزیز بھائیو! ''أهل الحسبه '' جو اس شعبے کے ذمہ دار ہیں،ان کی کاوشیں قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ان کی دامے درمے قدمے سخنے ہر اعتبار سے حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ان کی معمولی سی لغزش کو بڑھا چڑھا کر نہ پیش کیا جائے۔

جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شعبے سے منسلک ہیں اور بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں ہم ان کی قدر کرتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ وہ اس اُمت کے بہترین افراد ہیں ۔ ہر چند کمال صرف اللہ کیلئے ہے اور بے عیب ذات صرف اُسی کی ذاتِ عالی ہے ۔ یہ شعبہ ہماری اُمت کی پہچان اور طرۂ امتیاز ہے، اسی شعبے کے ذریعے ہم طرح طرح کی خرابیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں، چاہے وہ عقیدے کے مسئلے میں ہوں یا اخلاقیات کے ضمن میں ۔ کسی مسلم مملکت کی کامیابی اس شعبہ کے فعال ہوئے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔"

اس شعبے سے منسلک افراد معروف کو عام کرتے اور منکرات کی روک تھام کی کوشش کرتے ہیں ۔ منکرات کو روکنے کیلئے غیر معمولی جرأت اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اگر اُمتِ مسلمہ کے افراد کا ضمیر بیدار ہو تو یہ کام مشکل نہیں ۔ اس شعبے سے منسلک لوگ دردمندانِ ملت کے حسنِ تعاون سے مخالفت کی آندھیوں میں ہدایت کا چراغ جلائے ہوئے ہیں تاکہ حکمت و بصیرت سے معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح کر سکیں ۔ ہر صاحبِ بصیرت جانتا ہے کہ بگاڑ کی اصلاح آسان نہیں بلکہ یہ جان جوکھوں کا کام ہے کیونکہ جن کے مفادات برائیوں کو پروان چڑھانے سے وابستہ ہیں وہ اصلاحی کوششوں کو برداشت نہیں کر سکتے ۔ اس لیے بعض خوبصورت الفاظ کا سہارا لے کر وہ فسادی اُمور کی ملمع سازی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ آزادی پر قدغن ہے یا یہ رجعت پسندوں اور قدامت پسندوں کا ٹولہ ہے جو ہماری آزادی سلب کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن ہم گواہی دیتے ہیں کہ منکرات میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی باتوں میں کوئی وزن نہیں ۔ جو لوگ معاشرے کو منکرات سے

صاف کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں ہم ان کی کامیابی اور ثابت قدمی کے لیے دعا گو ہیں کیونکہ مسلم سلطنت کی اہم ذمہ داری کا بوجھ یہ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔اس معاملے میں کسی قسم کی مداہنت مسلم سلطنت کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔اگر ہم اپنے اردگرد پڑوسی مسلم ممالک پر نظر ڈالیں تو صورت حال کا صحیح اندازہ کرسکتے ہیں۔اللہ تعالٰی نے سلطنت حرمین شریفین کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ اس کے ذمہ داروں نے قانونی اور سرکاری سطح پر ''الحسبہ'' یعنی شعبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قائم کیا،اس کا ایک نظام بنایا،اس پر عملدرآمد کو آسان بنایا،اس لیے ہمیں ان مساعیِ جمیلہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور اس شعبے کی کامیابی کیلئے بھرپور تعاون کرنا چاہیے کیونکہ شر اور فساد کی طغیانی ہر طرف سے موجزن ہوکر آگے بڑھ رہی ہے اور منکرات کا طوفان حق وصداقت کے سفینے کو ڈبونا چاہتا ہے لیکن جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے حتیٰ کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے۔''

ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم سب اس کارِ خیر میں حصہ لیں تاکہ معاشرے میں نیکی عام ہو اور بدی کی روک تھام ہو اور ہر وہ ہاتھ جو سفینۂ حق کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے ہم اُسے پکڑ لیں تاکہ ملت کی یہ کشتی فسق وفجور اور منکرات کے بھنور میں نہ پھنس جائے۔اس کیلئے ہمیں اخلاص، حکمت،شفقت ومہربانی اور پیار ومحبت کو اپنانا ہوگا۔خصوصاً وہ لوگ جو شعبۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وابستہ ہیں ان میں ان صفات کا جلوہ گر ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ وہ دوسروں کیلئے نمونہ ہیں۔

محترم بھائیو! جب بھی اس اہم کام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور انھیں اپنی دینی ذمہ داری ادا کرنے سے روکا گیا تو پھر ہر طرف گمراہی ، بگاڑ اور فساد نے

ڈیرے ڈال دیے۔ہر غیور مسلمان جو مختلف مما لک میں پائی جانے والی بُرائیوں پر نظر ڈالے اسے ان تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بعض اوقات برائیوں کا غلبہ دیکھ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے اور یہ بگاڑ وہاں ہر شعبے میں دیکھا جاسکتا ہے، چاہے اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے، اخلاقیات سے ہو یا بے راہ روی سے۔اور پھر اس برائی کی آگ پر وہاں پائے جانے والے ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ تیل چھڑکنے کا کام کرتے ہیں۔یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہماری اسلامی غیرت کہاں چلی گئی؟ ہماری دینی حمیت کو کیا ہوا؟ انسانی شرافت کہاں دم توڑ گئی؟ کیا ہمارے دل مردہ ہو چکے ہیں؟ اور ہمارا ضمیر بے حس ہو چکا ہے؟ حالانکہ یہی وہ اسباب ہیں جن کی پاداش میں عذاب آسکتا ہے۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کی طرف وحی کی کہ فلاں بستی کو اس کے باشندوں سمیت الٹ دو۔انھوں نے عرض کی: اے میرے ربّ! اس بستی میں فلاں تیرا (نیک) بندہ رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔فرمایا کہ اس سمیت بستی کو الٹ دو کیونکہ برائیوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کبھی کوئی ناگواری ظاہر نہیں ہوئی۔''

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک کردیے جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ہاں جب برائی عام ہوجائے گی۔''

ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کے نیک بندے اپنی محنتوں میں لگے ہوئے ہیں لیکن ان اصلاحی کوششوں میں ابھی مزید اضافے کی ضرورت ہے تاکہ خیر و خوبی پھلے پھولے اور شر کا خاتمہ ہوسکے۔ ''اور اللہ کیلئے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں۔''

''حمد زیبا ہے اللہ ربّ العالمین کیلئے جو مسبب الاسباب ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، وہ اکیلا، زبردست اور سب کو عطا فرمانے والا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ اور احتساب کا عمل سب سے بڑھ کر نمایاں طور پر انجام دیا۔ اللہ کی بے حد رحمتیں، برکتیں اور سلامتی ہو آپ پر آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو صاحب نظر و فکر تھے اور تابعین پر اور قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر۔''

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سونپی ہے اسے انجام دو کیونکہ اس کا دین میں بڑا اونچا مقام ہے اور اس اہم کام میں غفلت برتنے کا انجام بڑا بھیانک ہے، اس فریضے کو چھوڑنے والوں کا انجام ہم دیکھ چکے ہیں اور معاشرے کا بگاڑ ختم کرنے کا طریقہ ہم جان چکے ہیں تو پھر سستی کس بات کی؟ ہمیں اپنا مزاج بدلنا ہوگا کیونکہ عموماً ہم دوسروں پر تکیہ کرنے کے عادی ہیں اور خود اپنی ذمہ داری انجام نہیں دیتے، حالانکہ یہ ہم سب کی پہلی اور فوری ذمہ داری ہے۔ اگر ہم سب اپنی اپنی ذمہ داری انجام دیں تو باطل کو پنپنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ کو اپنے لئے اسوہ بنائیں، آپ ﷺ دین کے مسئلے میں کسی قسم کی کوئی مداہنت قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے، آپ ﷺ ہر دم اللہ کے دین کی تبلیغ میں مصروف رہتے تھے اور اللہ کے احکام کی نافرمانی سے آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی، لہٰذا اگر ہم نبی کریم ﷺ کو اپنے لئے اُسوۂ بنائیں گے تو فلاح اور سعادت پائیں گے۔

اسلامی تصور عبادت

(مرسلہ: فہد محمود بخاری)

قرآن کی رو سے عبادت وہ اصل مقصد ہے جس کی خاطر انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ (میں نے جنوں اور انسانوں کو محض عبادت کیلئے پیدا کیا ہے)۔لہٰذا ہمارے لیے اس بات کا سمجھنا بڑا ضروری ہے کہ عبادت کیا ہے اور اس کا صحیح تصور کیا ہے !!!

عبادت کا ایک تصور وہ ہے جسے جاہلی تصور عبادت کہا جا سکتا ہے۔اس تصور کی رو سے عبادت محض پوجا پاٹ تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔جاہل لوگ اپنے معبودوں کو انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بڑے آدمی، سردار یا بادشاہ، خوشامد سے خوش ہوتے ہیں، نذرانے پیش کرنے سے مہربان ہو جاتے ہیں، ذلت اور عاجزی کے ساتھ ہاتھ جوڑنے اور سر جھکانے سے پسیج جاتے ہیں ،اور ان سے یوں ہی کام نکالا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانوں سے خوشامد ،نذر و نیاز اور عاجزی کا طالب ہے۔اس تصور کی بنا پر جاہلی مذہب چند مخصوص اوقات میں مخصوص مراسم ادا کرنے کو عبادت کے نام سے معلوم کرتے ہیں۔

عبادت کا دوسرا تصور، جسے جوگیانہ، یا راہبانہ تصور عبادت کہنا موزوں ہوگا،

یہ ہے کہ انسان دنیاوی زندگی سے الگ ہو کر خدا سے لو لگانے ،مراقبہ، نفس کشی اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعے سے اپنی اندرونی قوتوں کو نشو نما دے اور دنیوی زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر کے اُخروی نجات حاصل کرے۔ عبادت کا یہ تصور ان مذاہب میں پایا جاتا ہے جن کی بنیاد زندگی کے راہبانہ تصور پر ہے اور جن کے نزدیک دین اور دنیا ایک دوسرے کی ضد ہیں، اور جو دنیا کی زندگی اور اس کی ذمہ داریوں سے باہر نجات کا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔

اسلام کا تصور عبادت ان دونوں سے مختلف ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان خدائے واحد کا بندہ ہے۔ اس کا خالق، اس کا مالک، اس کا حاکم صرف خداوند عالم ہے جس نے اس زمین پر اس کو اپنے نائب کی حیثیت سے مقرر کیا۔ کچھ اختیارات عطا کیے، کچھ ذمہ داریاں دیں، کچھ خدمتیں سپرد کیں، اپنی مملکت اور رعیت کے حصے پر اقتدار دیا۔ اس دنیا میں اس کا کام اپنے مالک کے مقصد کو پورا کرنا ہے، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا اور ادا کرنا ہے، آقا کی سپرد ہوئی خدمتوں کو انجام دینا ہے۔ اس کی آئندہ ترقی کا انحصار اسی پر ہے کہ اپنی تقرری کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ مالک کے سامنے حساب کے لیے پیش ہو تو اس کے کارنامہ زندگی سے یہ ثابت ہو کہ وہ ایک فرض شناس، مطیع اور فرماں بردار بندہ تھا، نہ یہ کہ سست، کام چور، فرض ناشناس یا باغی و نافرمان تھا۔

اس نقطۂ نظر سے عبادت کے وہ دونوں تصور، جو اوپر بیان کیے گئے ہیں، ناقص ہیں۔ جو شخص اپنے اوقات میں سے تھوڑا سا وقت خدا کو پوجنے میں صرف کر کے یہ سمجھتا ہے کہ اب وہ آزاد ہے کہ جو چاہے کرے، اس کی مثال ایک ایسے ملازم کی ہے جسے آپ نے رات دن

کیلئے رکھا ہوا ور جسے پوری تنخواہ دے کر آپ پرورش کر رہے ہوں، لیکن وہ بس صبح شام آ کر آپ کو جھک جھک کر سلام کر دیا کرے اور اس کے بعد آزادی کے ساتھ جس جس کی چاہے نوکری بجالائے۔ اسی طرح جو شخص دنیا اور اس کے معاملات سے الگ ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھتا ہے اور اپنا سارا وقت پوجا پاٹ اور ریاضت میں صرف کر دیتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے آپ اپنے باغ کی رکھوالی کے لیے مقرر کریں مگر وہ باغ کو اور اس کے کام کاج کو چھوڑ کر آپ کے سامنے ہر وقت ہاتھ باندھے کھڑا رہے، صبح سے شام اور شام سے صبح تک آقا آقا پکارتا رہے اور باغبانی کے متعلق جو ہدایات آپ نے اسے دی ہیں ان کو خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ پڑھتا رہے لیکن باغ کی اصلاح و ترقی کے لیے کچھ نہ کر کے دے، ایسے ملازمین کے متعلق جو کچھ رائے آپ قائم کریں گے وہی رائے اسلام بھی، ایسے عبادت گزاروں کے متعلق قائم کرتا ہے۔

اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی بندگی میں بسر ہو، آپ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقتی ملازم سمجھیں، آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو، اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کی شریعت کے مطابق کریں، آپ کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، غرض یہ کہ سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو، خدا نے جو خدمات آپ کے سپرد کی ہیں، اور زندگی کے جو فرائض آپ سے متعلق بیان کیے ہیں، ان سب کا بار آپ نفس کی پوری رضامندی کے ساتھ اٹھائیں اور ان کو اس طریقے سے ادا کریں جس کی طرف خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعے آپ کی رہنمائی کی ہے، آپ ہر وقت اور ہر کام میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور سمجھیں کہ آپ کو اپنی ایک ایک حرکت کا

حساب دینا ہے، اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ، اپنے محلے میں ہمسائیوں کے ساتھ، اپنی سوسائٹی میں دوستوں کے ساتھ، اپنے کاروبار میں اہل معاملہ کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کی مقرر کردہ حدود کا آپ کو خیال رہے۔

پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا، اور ریاضت کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اور دنیوی زندگی کی ساری ذمہ داریوں کو سنبھال کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے، ذکر الٰہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض زبان پر اللہ اللہ جاری ہو بلکہ اصل ذکر الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں آپ انہی میں رہتے ہوئے بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ دنیا کی زندگی میں جہاں قانون الٰہی کو توڑنے کے بے شمار مواقع، بڑے بڑے فائدوں کا لالچ اور بڑے بڑے نقصانوں کا حدف لیے ہوئے سامنے آئے ہیں، وہاں خدا کو یاد رکھیے اور اس کے قانون کی پیروی کرتے رہیے۔ حکومت کی کرسی پر بیٹھیے لیکن یہ ذہن میں رکھیے کہ میں بندوں کا خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوں، ظلم کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود یہ خیال رکھیے کہ میں خدا کی طرف سے عدل قائم کرنے پر مامور ہوں، زمین کے خزانوں پر قابض و متصرف ہوئے اور پھر یاد رکھیے کہ میں ان خزانوں کا مالک نہیں ہوں بلکہ امانت دار ہوں اور پائی پائی کا حساب مجھے اصلی مالک کو دینا ہے۔ فوجیوں کے کمانڈر بنیے اور خوف خدا آپ کو طاقت کے نشے میں مدہوشی سے بچاتا رہے۔ سیاست و جہاں بانی کا کٹھن کام ہاتھ میں لیجیے اور پھر سچائی، انصاف اور حق پسندی کے اصول پر عمل کر کے دکھائیے۔ تجارت، صنعت و مالیات کی باگیں سنبھالیے اور پھر کامیابی کے ذرائع میں پاک و ناپاک کا امتیاز کرتے ہوئے چلیے۔ ہر طرف ظلم و دغا اور فریب و بدکاری کے راستے

آپ کیلئے کھلے ہوں اور دنیاوی کامیابیاں اور مادّی لذات ہرطرف سے دعوت دے رہی ہوں اور پھر خدا کی یاد اور آخرت کی باز پرس کا خوف آپ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے۔ حدود اللہ میں سے ایک ایک کے قائم کرنے میں ہزاروں مشکلیں دکھائی دیں، حق کا دامن تھامنے اور عدل وصداقت پر قائم رہنے میں جان و مال کا زیاں نظر آئے، خدا کے قانون کی پیروی کرنا زمین وآسمان کو دشمن بنا لینے کا ہم معنی ہو جائے پھر بھی آپ کا ارادہ متزلزل نہ ہو اور آپ کی جبین عزم پر شکن نہ آئے۔ یہ ہے اصلی عبادت!!

اسلام نے روحانی ترقی اور خدا کی معرفت کا بھی یہی راستہ بتایا ہے۔انسان خدا کو جنگلوں اور پہاڑوں میں یا گوشہ ہائے عزلت میں نہیں پا سکتا۔خدا اس کو انسانوں کے درمیان اور دنیوی زندگی کے ہنگاموں میں ملے گا اور اس قدر قریب ملے گا کہ گویا وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔جس انسان کے سامنے حرام کے فائدے اور ظلم کے مواقع قدم قدم پر آئے اور ہر قدم پر وہ خدا سے ڈر کر ان سے بچتے ہوئے چلا، اسے خدا کی **یافت** ہو گئی۔جس نے گھر میں تفریح کے لمحوں میں اور کاروبار کے ہنگاموں میں، ہر کام اس احساس کے ساتھ کیا کہ خدا مجھ سے دور نہیں ہے، اس نے خدا کو ہر لحہ اپنے قریب سے قریب تر پا لیا۔جس نے سیاست اور حکومت اور صلح و جنگ اور مالیات اور صنعت وتجارت جیسے ایمان کی سخت آزمائش کرنے والے کام کیے اور یہاں کامیابی کے شیطانی ذرائع سے بچ کر خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کا پابند رہا، اس سے بڑھ کر مضبوط اور سچا ایمان اور کسی کا ہو سکتا ہے؟ اس سے زیادہ خدا کی معرفت اور کسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور اس سے زیادہ خدا کا مقرب اور کون ہوگا؟

اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی روحانی قوتوں کے نشو ونما کا راستہ یہی ہے۔

روحانی ارتقاء کا نام ہے کہ آپ اپنے نفس کی خواہشات پر قابو پائیں ۔اپنے ذہن اور جسم کی تمام طاقتوں سے صحیح کام لیں، اپنے اخلاق میں خدا کے اخلاق سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں، دنیوی زندگی میں، جہاں قدم قدم پر آزمائش کے مواقع پیش آتے ہیں ۔اگر آپ حیوانی اور شیطانی طریق کار سے بچتے ہوئے چلیں اور پورے شعور سے اس طریقے پر کاربند رہیں جو انسان کے شایان شان ہے تو آپ کی روحانیت روز بروز ترقی کرتی چلی جائے گی اور آپ روز بروز خدا سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔حتیٰ کہ وہ آپ کا ہاتھ ہو جائے گا جس سے آپ کام کرتے ہیں، وہ آپ کی آنکھ ہو جائے گا جس سے آپ دیکھتے ہیں اور وہ آپ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اس کی مرضیات کا پابند ہو جاتا ہے۔وہ رب سے راضی ہو جاتا ہے اور رب اس سے راضی۔

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے،اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو،لا الہ الا اللہ ،کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے۔کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا معبود تسلیم کیا اس کا عبد یعنی بندہ بن کر رہے،اور بندہ بن کر رہنے کا نام ہی عبادت ہے۔ کہنے کو تو یہ بات بہت چھوٹی سی ہے اور بڑی آسانی سے اسے زبان ہلا کر ادا کیا جا سکتا ہے مگر عملاً انسان کی پوری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادت بن جانا آسان کام نہیں، اس کیلئے بڑی زبردست تربیت کی ضرورت ہے؛ اس کیلئے ضروری ہے کہ خاص طور پر ذہن کی تربیت کی جائے ،مضبوط کردار بنایا جائے ،عادات و خصائل کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا جائے اور صرف انفرادی سیرت ہی کی تعمیر پر اکتفا نہ کر لیا جائے بلکہ ایک

ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جو بڑے پیانے پر افراد کو اس عبادت کیلئے تیار کرنے والا ہو اور جس میں جماعت کی طاقت فرد کی پشت پناہ، اس کی مددگار، اور اس کی کمزوریوں کی تلافی کرنے والی ہو، یہی غرض ہے جس کیلئے اسلام میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی عبادتیں فرض کی گئی ہیں۔ان کو عبادات کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بس عبادات یہی ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اصلی عبادت کیلئے انسان کو تیار کرتی ہیں، یا یہ کہ اس کیلئے تربیت کا لازمی نصاب ہیں، انہی سے وہ مخصوص ذہنیت بنتی ہے، اس خاص کردار کی تشکیل ہوتی ہے، منظم عادات و خصائل کا وہ پختہ سانچہ بنتا ہے، اور اس اجتماعی نظام کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔جس کے بغیر انسان کی زندگی کسی طرح عبادت الٰہی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔نیز یہ کہ ان کے ذریعے سے بندہ ربّ سے قریب تر آتا ہے، اس کی روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور وہ زمین و آسمان کے مالک کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے، ان چار چیزوں کے سوا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے، اسی بناء پر ان کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ وہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

حقیقت کی دریافت

(مولانا وحید الدین خاں)

انسان ایک متلاشی حق حیوان ہے، میں نے خود اپنی ذات میں اس کا تجربہ کیا ہے۔میرے اندر بچپن سے سچائی کی تلاش کا جذبہ کسی نہ کسی طرح موجود تھا۔۱۹۴۲ میں یہ جذبہ پوری شدت کے ساتھ اُبھر آیا۔اُس زمانے میں میرا حال یہ تھا کہ میں جنگلوں اور ویرانوں میں چلا جاتا اور تنہائی میں رو رو کر یہ کہتا کہ: ”خداوند! تو کب آئے گا۔کب تک تجھے پاسکوں گا۔میں کب تک تیرے آنے کا انتظار کروں۔“

آخر کار ایک خدائی کلام میں مجھے اس کا جواب ملا۔اس کے مطابق، اللہ تعالٰی نے قرآن پاک میں فرمایا: ﴿کنتُ کنزاً مخفیًا فاردتُ ان اُعرف فخلقت الخلق﴾ (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں، پھر میں نے انسان کو پیدا کیا) اس ارشاد کے مطابق انسان کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے۔اور اس معرفت کی قیمت میں وہ ابدی جنت میں جگہ پائے۔موت کے پہلے کا دورِ حیات حصول معرفت کا دَور ہے اور موت کے بعد کا دَور حیات آرام اور راحت کی ابدی جنت کی دنیا میں زندگی گزارنے کا دَور۔

یہ معرفتِ ربّ کوئی سادہ چیز نہیں۔یہ ایک مشکل ترین مہم ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ ابتدائی دَورِ حیات میں انسان کے رہنے کیلئے خدا نے جو دنیا بنائی وہ مکمل طور پر شبہات سے بھری ہوئی تھی۔اس کے ہر جز میں ایک شبہہ کا عنصر (element of doubt) پایا جاتا ہے۔

اس دنیا میں کوئی بھی فکری یا عملی چیز ایسی نہیں جو شبہ سے خالی ہو۔موت سے پہلے کے اس دورِ حیات میں انسان کا کام یہ ہے کہ وہ شبہات کے پردے کو پھاڑ کر حقیقت کو دیکھے، وہ شبہات کے باوجود کامل یقین کا درجہ حاصل کرے۔دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب پر شبہات کا پردہ پڑا ہوا ہے۔انسان پیدا ہوتے ہی اپنے آپ کو افکار کے ایک جنگل میں پاتا ہے۔زندگی کے بارے میں مختلف قسم کے فلسفے اس کو حیرانی کا تحفہ دیتے ہیں۔یہاں درجنوں مذاہب ہیں اور ہر مذہب اپنے بارے میں سچا ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ہر انسان اپنے اندر جذبات و خواہشات کا ایک طوفان لئے ہوئے ہے، جو خالص عقلی روّیہ اختیار کرنے میں مسلسل رکاوٹ بنتا ہے۔اسی طرح ہر آدمی کا یہ حال ہے کہ وہ خاندانی اور سماجی بندھن میں پھنسا ہوا ہے۔ہر آدمی مفادات کے خول میں جی رہا ہے۔ہر آدمی کی عادتیں اور رجحانات اس کو اپنے ساتھ باندھے ہوئے ہیں۔ہر آدمی مال و اولاد، اور رشتے داروں کے جال میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ اس کیلئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

ایسی حالت میں سچائی کی معرفت صرف اُس انسان کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے اندر موضوعی طرزِ فکر (Objective Thinking) کی تشکیل کر سکے۔وہ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر سکے کہ وہ شبہات کے پردے کو پھاڑ کر حق کو حق کے روپ میں دیکھے اور باطل کو باطل کے روپ میں دیکھے۔وہ چیزوں کو ویسا ہی دیکھے جیسا کہ وہ ہیں۔

اسی کے ساتھ اس کے اندر وہ صلاحیت ہو جس کو انقلابی صلاحیت (Revolutionary nature) کہا جاتا ہے، یعنی جب ایک بات سمجھ میں آجائے تو کسی بھی مصلحت کو پروا کیے بغیر وہ کھلے طور پر اس کو قبول کر لے۔وہ اپنی زندگی کا رُخ بدل کر دریافت شدہ حقیقت کو اپنی زندگی کا نشانہ بنا لے۔

شک وشبہات کے اس پردے کو پھاڑنے کا ذریعہ صرف ایک ہے اور وہ ہے خالق کے تخلیقی منصوبہ (Creation Plan) کو جاننا۔ یہ تخلیقی منصوبہ چیزوں کی اس طرح توجیہہ کردیتا ہے کہ شبہات کے تمام پردے ہٹ جاتے ہیں اور حقیقت اسی طرح نمایاں ہوکر سامنے آجاتی ہے جس طرح کالے بادل چھٹنے کے بعد روشن سورج سامنے آجاتا ہے۔

اللہ کے اس تخلیقی منصوبے کا کلیدی پہلو یہ ہے کہ انسان کو ہر قسم کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور پھر اس کو مکمل طور پر آزاد کردیا گیا ہے۔ اب انسان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی آزادی کو صرف صحیح طور پر استعمال کرے، وہ اپنی آزادی کو کبھی غلط استعمال نہ کرے۔ اسی استعمال کے اوپر انسان کے ابدی مستقبل کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ آزادی کا صحیح استعمال کرنے والوں کیلئے جنت ہے اور آزادی کا غلط استعمال کرنے والوں کیلئے جہنم۔ اِس آزادی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس سے مسابقت اور چیلنج پیدا ہوتا ہے اور مسابقت اور چیلنج کے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں۔

فلسفے میں انسان اور خدا کی نسبت سے سب سے زیادہ قابل بحث سوال وہ رہا ہے جس کو برائی کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانی دنیا میں اتنی زیادہ مصیبت (suffering) کیوں ہے؟ اللہ نے ایسی دنیا کیوں بنائی جہاں انسان طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہے۔

خدا کے تخلیقی نقشے کو سمجھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ یہ تمام مصیبتیں کسی نہ کسی پہلو سے آزادی کے غلط استعمال کی قیمت ہیں۔ یہ قیمت بظاہر ایک بہت سخت قیمت ہے لیکن خدا کی طرف سے یہ خوشخبری ہے کہ موت کے بعد جب یوم الحساب آئے گا تو خدا کسی انسان کو اس کے صرف اُس عمل پر پکڑے گا جس میں یہ ثابت ہو کہ آدمی نے اپنی

ملی ہوئی آزادی/اختیار کا غلط استعمال کیا تھا۔اس کے سوا خالق کے تخلیقی نقشے کی بناء پر کسی کو جو مصیبت پیش آئے گی اُس کیلئے ایسی تلافی کا انتظام کردیا جائے گا کہ وہ بلا اشتباہ یہ سمجھ لے گا کہ اس کے ساتھ جو ہوا وہ عین انصاف کا تقاضہ تھا۔مزید یہ کہ یہ مصیبت ایک اعتبار سے شاک ٹریٹمنٹ ہے۔کیونکہ وہ انسان کیلئے ذہنی ارتقاء کا ذریعہ بنتی ہے۔

سفرنگ کے مسئلے کو سمجھنے کیلئے یہ طریقہ کافی نہیں ہے کہ اپنے ذہنی قیاس کے تحت اس پر رائے قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کو تاریخ انسانی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان کی ترقی کیلئے زیادہ بڑا عمل آرام نہیں ہے بلکہ مصیبت ہے۔آرام میں انسان کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔اس کے برعکس، مصیبتوں میں جو انسان بنتے ہیں وہ زیادہ بڑی ترقیاں کرتے ہیں۔

مغرب کے ترقی یافتہ ساجوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہاں ایک نئی ''بیماری'' پیدا ہوئی ہے جو افلوئنزا (Affluenza) کا نام دیا گیا ہے۔یہ خوشحال طبقے کی بیماری ہے۔ خوشحال گھرانوں میں ذہنی سورماؤں کے بجائے ذہنی بونے (intellectual dwarf) بن رہے ہیں۔ان کا آئی کیولیول بہت کم ہوتا ہے۔وہ کاہل ہوتے ہیں اور کام میں حصہ نہیں لے پاتے۔تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبتوں میں پلنے والے لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔بڑے لیڈروں نے مشکل حالات میں پرورش پائی۔اس طرح جتنے بڑے بڑے دولت مند لوگ ہیں وہ سب غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے اور پھر محنت کرکے ترقی حاصل کی

انسانی تاریخ کے ہر دور میں ایسے مفکر پیدا ہوتے رہے جنہوں نے یہ کوشش کی کہ وہ آئیڈیل انسانی سماج بنائیں یا آئیڈیل ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔ہر ایک اپنی تمام کوششوں کے باوجود صرف ایک غیر معیاری سماج بنا سکا۔

خوف خدا نہ رکھنے کی وجوہات!

(ھارون یحییٰ)

''آپ پوچھئے! کون رزق دیتا ہے تمہیں آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور کون (نکالتا) ہے مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ جواباً کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے! (جب حقیقت یہ ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے''۔(سورۃ یونس۔آیت نمبر ۳۱)

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آیات میں کھول کر بیان کر دیا ہے کہ جو لوگ صرف دکھاوے کا ایمان رکھتے ہیں،ان سے جب اس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ اللہ پر ایمان کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اللہ کے خوف کی سمجھ ان میں قطعاً نہیں پائی جاتی،ان کی حالت کا واضح ترین ثبوت یہ کہ وہ اپنے قول وفعل میں اللہ کا خیال کر کے کسی قسم کے خوف یا احتیاط کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ان کے اس طرز عمل کے پیچھے کئی جانی پہچانی وجوہات ہوتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی سچے دل سے قدر دانی نہ کرنا: عام طور پر لوگوں میں سنی سنائی باتوں ہی کے ذریعے سمجھنے کا رجحان پایا جاتا ہے،لوگوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ اور اس (اللہ تعالیٰ) کے اوصاف کو اس طرح نہیں سمجھتی کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس حقائق کو تعلیمات دین کے اصل منبع یعنی قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔حالانکہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں انتہائی واضح اور آسان ترین طریقے سے ہمیں اپنے (اللہ کے) وجود اور اوصاف سے آگاہ کیا ہے پھر بھی اللہ پاک کے بارے میں اکثر لوگوں کا علم صرف اپنے اہل خانہ،رشتہ داروں اور ادھر ادھر سے

سنی سنائی باتوں پر ہی ہوتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے بارے میں لوگوں کا تصور مختلف ہے۔اس حوالے سے ایک خاص بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو یہ خیال تک نہیں آتا کہ جو باتیں انھوں نے سن رکھی ہیں یا ان کے ابتدائی ماحول میں انہیں بتائی گئی ہیں ۔وہ نامکمل یا بالکل غلط بھی ہوسکتی ہیں ۔اگر کسی کو ایسا خیال کبھی آئے تو وہ بھی اپنے عقیدے کو چھوڑ کر سچ کی تلاش کے لئے تحقیق کرنا گوارا نہیں کرتا ۔یہ ایک بڑی غلطی ہے،اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر نہ پہچاننے اوراس کے بہت سے عظیم اوصاف سے درست طور پر آگاہی نہ رکھنے کا نتیجہ جہنم کی آگ ہوسکتا ہے

اس قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے اوصاف جیسے کہ مغفرت فرمانے والا (الغفار)، مددفرمانے والا،(الناصر)،رزق دینے والا (الرزاق)،نگہبان (الحفیظ)،نہایت رحم والا (الرحیم)،اورنگہبان (المھین) کو ہی مدنظر رکھنے کی وجہ سے غیر متوازن تصور رکھتے ہوئے بے فکری اوراطمینان محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ پاک کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں جیسے کہ، بدلہ لینے والا (المنتقم)،دیکھنے والا (البصیر) اورزبردست (القھار)۔تاہم اس طرح کے غافل لوگ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان اوصاف کے کیا معنی ہیں ۔وہ خالق کائنات کے بارے میں اس طرح سے سوچتے ہی نہیں ۔وہ یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ انہیں اپنے اعمال ،طرزِ عمل اور گفتگو کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے انہی اوصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر وہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اوصاف سے ناموں کی حد تک واقف بھی ہوں،تب بھی وہ ان کی پوری اہمیت اوراس بات سے باخبر نہیں ہو پاتے کہ آخرت کی زندگی میں انہیں کس طرح اللہ پاک کے ان اوصاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔یا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے بارے میں یکطرفہ تصور رکھتے ہیں اور پھر ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیگر اوصاف کا اطلاق ان پر کسی طرح بھی نہیں ہوتا ۔

مثال کے طور پر اگر ان کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوجائے تو وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے عظیم انصاف کے ذریعے اس ناانصافی کا بدلہ دے گا، تاہم وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ اگر وہ قرآن پاک کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے اوران پر اس طرح سے عمل نہیں کرتے جیسا کہ کرنا چاہیے تو انہیں بھی اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انسان کو اللہ کی عبادت کیلئے تخلیق کیا گیا تھا، لیکن اگر وہ اپنے مقصد تخلیق کو مسترد کردیں تو بلاشبہ انہیں اس جرم کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔ اس ''عظیم'' گناہ کا انجام سخت سزا ہی ہے اور اسی لیے جہنم کو بنایا گیا ہے۔ جہنم کو دراصل سزا کیلئے بنایا گیا، خوفناک ترین مقام ہے جس کی ہولناکی انسان کی قوت تصور سے باہر ہے۔ یہ ہولناکی زمین پر پائی جانے والی سخت ترین تکالیف سے کئی گنا زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ وسیع ہے۔ اوپر کی سطور میں ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے خوف سے حقیقی آگاہی نہیں رکھتے اور اپنے اعمال میں لاپروائی برتتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز بھی نہیں سنتے اور سمجھ بوجھ سے مکمل طور پر عاری ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طاقت کا اندازہ ہے اور نہ ہی اس کے جاہ وجلال اور عظیم شان کا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور عظمت سے بھی ٹھیک طور پر آگاہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس اندرونی ڈر اور حقیقی خوف کو محسوس ہی نہیں کرپاتے جو اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا سامنا کرنے کی کیفیت سے محسوس ہونا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی پابندیوں کا بھی خیال نہیں کرتے اور بے فکری کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اس تشکر اور اطاعت کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر کے طور پر انہیں ظاہر کرنا چاہیے چنانچہ ناشکری ان کا ایک اہم اور مستقل وصف بن جاتا ہے۔ مگر آخر کار انہیں دنیا میں بے فکری کی زندگی گزارنے کی قیمت خوف اور عذاب سے بھرپور آخرت کی زندگی کے طور پر چکانا پڑے گی۔

ہمارا اخلاقی انحراف

مغربی اخلاقی بحران کے پس منظر میں

(محمد موسیٰ بھٹو)

ہمارے معاشرہ کا سب سے بڑا المیہ، جس سے معاشرہ ہمہ گیر و ہمہ جہتی فساد سے دوچار ہے، وہ دراصل سیرت و کردار کی پاکیزگی کا المیہ ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ میں ہونے والے بیشتر کام فساد سے دوچار ہیں۔

مغربی نظام تعلیم سے وابستہ افراد، سیرت و کردار کے بحران میں مبتلا ہیں، جس کا نتیجہ ہم ملک کے ہر ادارے کی تباہی، غربت کے مناظر عام ہونے اور اہل سیاست، سرکاری عمال اور سارے مؤثر طبقات کی سنگ دلی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں، لیکن سیرت و کردار کے اعتبار سے دین داروں اور مذہب سے وابستہ شخصیتوں کی حالت بھی عام طور پر بہتر نہیں۔ گروہی تعصّبات، شدت پسندی، ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کی روِش، دوسرے گروہوں کے ہاں موجود خیر کے اجزاء کے فہم سے انکار کی روش، اس کے نتیجے میں منافرت و کدورت کی فضاء، مال و جاہ کی خاطر اپنے اپنے گروہوں کو مستحکم کرنے کی کوششیں، ظاہری بہتر دین داری، لیکن باطنی حجابات کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں بڑھتا ہوا خلفشار وغیرہ، مذہبی طبقات میں عام طور پر ان ساری چیزوں کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اہل مذہب، ریاست و معاشرہ پر اثر انداز ہونے میں ناکامی سے ہمکنار ہیں۔

یہ ایسی صورت حال ہے، جس پر گہرائی سے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ آخر ہم آئے دن سیرت و کردار کی پاکیزگی سے دُور کیوں ہوتے جا رہے ہیں، نیز سیرت و کردار کی پاکیزگی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔؟

ہماری نظر میں سیرت و کردار میں پاکیزگی کا تعلق تزکیہ سے ہے، فطرت سلیمہ کو بیدار کرنے سے ہے، روحانی بالیدگی سے ہے اور سیرت پاک کو اسوۂ حسنہ بنانے سے ہے اور نفسی قوتوں کو اللہ و رسول کے مکمل تابع بنانے سے ہے اور باطن کی اصلاح سے ہے، اور عبدیت کی صلاحیتوں کی بیداری سے ہے، یہ ساری چیزیں اللہ سے مستحکم تعلق پیدا کرنے، بلکہ اللہ سے والہانہ محبت کا تعلق قائم کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔ جو فرد اپنی خالق ہستی (جو اس کی سب سے بڑی محسن ہستی ہے) اس سے اپنے تعلق کو صحیح طور پر استوار نہیں کرسکتا، اس ہستی سے اپنے معاملات درست نہیں کرسکتا، اس کا وفادار نہیں بن سکتا، وہ بندوں کے ساتھ اپنے معاملات بہتر طور پر سرانجام دے سکے، ان سے محبت، عاجزی اور اپنائیت کا مظاہرہ کر سکے، انہیں اپنے دلوں میں جگہ دے سکے، ممکن نہیں، یہ ایسی بات ہے جو ہر فرد آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور اس کے فہم کیلئے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک قومی اخلاق، کاروباری اخلاق اور روایتی اخلاق کا تعلق ہے تو وہ مروجہ تعلیمی اداروں اور ذہنی تربیت کے ذریعہ کسی حد تک پیدا ہوسکتا ہے، لیکن حقیقی اخلاقی زندگی جس سے انسانیت، خیر و برکت سے بہرہ ور ہو، جس سے نفرتیں و کدورتیں دُور ہوں، افراد ایک دوسرے کیلئے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کر کے ، ایک دوسرے کی مشکلات کے وقت کام آسکیں، جہاں مصیبت زدہ افراد کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا جائے، ان سارے کاموں میں بے غرضی، بے نفسی اور للّٰہیت شامل ہو، اس طرح کا کردار ہی وہ حقیقی کردار ہے، جس سے

افرادمعاشرہ فوزوفلاح سے ہمکنار ہوتے ہیں اور جہاں اللہ تعالٰی کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، ہمارا معاشرہ اس طرح کے پاکیزہ اخلاق و کردار سے کوسوں دور ہے، جبکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ قوموں کا سارا عروج وزوال پاکیزہ اخلاق و کردار سے بہرہ وری اور اس سے محرومی سے ہی وابستہ ہے، جو قومیں اخلاقی اعتبار سے بلندی کے مقام پر فائز ہوتی ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اور انسانوں کی سطح پر قوموں کے ساتھ اپنے معاملات کو تصادم وٹکراؤ کے بغیر انسانیت کے شایان وشان حل کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔

جب قوموں کیلئے اخلاق و کردار کی پاکیزگی اتنی فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہے تو سوال یہ ہے کہ معاشرہ میں پاکیزہ اخلاق کی تعمیر وتشکیل کا کام کیسے ہو؟ اس کا ایک طریقہ تو وہی ہے، جو اہل مغرب نے اختیار کیا ہے کہ تعلیمی اداروں کے ذریعہ اخلاقی نشو ونما کا انتظام ہو ،جس سے افراد ایک حد تک معاشرے اور ریاست کیلئے مفید ثابت ہوتے ہیں اور ریاست کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لائق ہوتے ہیں، لیکن چونکہ مغرب کے اخلاقی تربیت کے اس نظام میں مذہب، روحانیت اور فطرت سلیمہ کے اجزاء کی مکمل طور پر نفی شامل ہے، اس لئے مغرب کا یہ قومی اخلاق ان کی روحانی صلاحیتوں کی بالیدگی میں ناکام ثابت ہوا ہے اور ان کے ہاں انسان کی کل حیثیت ترقی یافتہ حیوان سے زیادہ نہیں رہی، اور حیوانوں اور درندوں کی تربیت کا جتنا بھی اہتمام ہو، ظاہر ہے حیوانیت و درندگی کے اثرات سے بچاؤ کی صورت پیدا نہ ہو سکے گی، اہل مغرب کی عملی زندگی میں اس کا مظاہرہ عام ہے۔

ان کا سرمایہ دار سنگ دِلی میں پچھلے دَور کے سارے سرمایہ داروں کو پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ان کے ہاں طب کا پیشہ سب سے مہنگا تر پیشہ ہے۔ عام فرد کیلئے اپنی ذاتی آمدنی سے علاج کروانا دشوار تر ہے، مہنگائی اتنی زیادہ ہے کہ بنیادی ضروریات کیلئے گھر کا ہر فرد، عورت

اور مرد جانوروں کی طرح کام میں جتے رہنے پر مجبور ہیں۔سرمایہ دار کی خونخواری کی حالت یہ ہے کہ غریب قومیں اناج کیلئے ترس رہی ہوتی ہیں، بھوک سے بلبلا رہی ہوتی ہیں، یہ اناج کے دام کوگرنے نہ دینے کی خاطر سمندر میں ضائع کرنے کیلئے تو تیار ہوتے ہیں، لیکن غریب قوموں کو سستی قیمت پر اناج دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے، مغربی سرمایہ دار نے اسلحہ کی پیداوار اور اس کی کھپت کی خاطر قوموں میں جنگوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

مغربی انسان اس اعتبار سے بھی قابل رحم ہے کہ ان کے ہاں خونی رشتہ کا تقدس لگ بھگ ختم ہو چکا ہے۔ بیوی کی شوہر سے اور شوہر کی بیوی سے وفاداری و محبت کا نظام ختم ہے۔عورت و مرد جنسی تعلقات کے سلسلہ میں آزادی کی راہ پر گامزن ہیں۔انسانوں سے بیزاری اور کتوں سے وفاداری کی اُمیدیں وابستہ ہوگئی ہیں، جسمانی طہارت کا تصور ناپید ہے، برسوں گزر جاتے ہیں، مرد و عورت نہانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ایک دوسرے کیلئے ایثار و قربانی کے مظاہر کی اُمید ختم ہو چکی ہے، زنا، شراب، سود اور خنزیر کے گوشت کا استعمال تو ان کے کلچر کا حصہ ہے۔ڈپریشن کا مرض عام ہے، خودکشی کا میلان زیادہ ہے۔

مغربی حکمران جو لوگوں کے ووٹوں سے برسر اقتدار آتے ہیں، وہ عالمی سطح پر مکرو فریب کی سیاست، سودی قرضوں اور دھونس و دباؤ کے ذریعہ کمزور ریاستوں پر اپنی پالیسیاں مسلط کر کے، ان کی آزادی کو سلب کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔اور یہ ریاستیں پچھلے ڈھائی تین سو سال سے یہ کردار ادا کر رہی ہیں، پھر میڈیا کے ذریعہ پروپیگنڈہ یہ ہے کہ مغرب ہی انسانیت نوازی، حریت فکر و آزادی اور مساوات کا علمبردار ہے۔اب تو مغربی قوموں نے مسلم ملت کو ان کی تہذیب و اقدار سے بے بہرہ کرنے کیلئے دولت کے دہانے کھول دیئے ہیں اور بڑے پیمانہ پر ضمیر کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا ہے، مسلم ریاستوں کے ہر ذہین

فرد کو خرید کر، انہیں میڈیا، صحافت اور دوسرے ذرائع سے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی کوششیں تیز تر ہیں، مغربی حکومتوں کے ان سارے کاموں میں مغربی انسان اس کے ہم نوا اور ان کا مکمل ساتھی ہے۔ ان ساری کاروائیوں کے باوجود اپنے آپ کو مہذب کہلوانے کا دعویٰ فریب کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے۔

ہمارے ہاں مغربی نظام تعلیم عام ہے اور لگ بھگ وہی نتائج پیدا کررہا ہے، جو وہ مغرب میں پیدا کر چکا ہے، بلکہ بعض پہلوؤں سے اس سے بدتر نتائج پیدا کر رہا ہے، بدقسمتی سے ہمارے ہاں قائم مغربی نظام تعلیم میں قومی اخلاق اور کاروباری اخلاق پیدا کرنے کا تربیتی نظام بھی موجود نہیں ہے۔

اخلاقی نصب العین اور اخلاقیات پیدا کرنے کی ایک صورت ہمارے ہاں دینی مدارس میں موجود ہے کہ قال اللہ اور قال الرسول کے ذریعہ افراد میں اخلاقی روح منتقل کی جائے اور ان کی سیرت و کردار میں جلا پیدا کی جائے، لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ اس نظام تعلیم سے دینی تعلیم تو حاصل ہوجاتی ہے۔ دینداری کی ظاہری صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے، کسی حد تک اخلاق بھی آجاتے ہیں، لیکن عام طور پر اس سے سیرت و کردار میں رونق پیدا نہیں ہوپاتی اور حبِ جاہ و حبِ مال کے امراض دُور نہیں ہوتے۔

اہل مغرب کے کردار کا جو پہلو سب سے زیادہ المناک ہے، جس نے دنیا میں کشیدگی پیدا کی ہے، وہ حریت فکر اور آزادی کے اپنے ملحدانہ تصورات کو مختلف حربوں سے دنیا پر مسلط کرنے اور اسلامی تہذیب کو اپنی مادّہ پرست تہذیب کیلئے چیلنج سمجھ کر اسے مٹانے کیلئے ہر طرح کے حربے اختیار کرنے کا پہلو ہے۔ اس معاملہ میں مغرب کی جارحانہ روش ایسی ہے، جو خود انسانیت کے منافی ہے۔ محسن انسانیت حضور ﷺ کی شان میں گستاخی جیسے مسلمانوں

کیلئے نازک اورحساس دینی حمیت کے مسئلہ کوانہوں نے اپنی تہذیب کی بقاء کی جنگ کیلئے ناگزیرہتھیار کےطور پراستعمال کرنا شروع کردیا ہے،اس سلسلہ میں مسلمان حکمرانوں پرشدید دباؤ ہے کہ وہ حریت فکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ملکی قانون میں شان رسالت کی گستاخی کے مرتکبین کیلئے سزا کے خانہ کو کالعدم قراردیں۔پھردینی مدارس کوبھی وہ اپنے لئے چیلنج محسوس کرتے ہوئے،ان کے خاتمہ کیلئے ہرممکن حدتک کوشاں رہتے ہیں،اس کام کووہ اپنی مادّہ پرستانہ تہذیب کی بقاء کیلئے ناگزیرسمجھتے ہیں،مسلمان حکمرانوں اورمسلم ریاست کے موثر طبقات کومختلف طریقوں سے خریدکرکے،انہیں اپنے ملحدانہ مقاصد کیلئےاستعمال کرنے کی ان کی روش ایسی ہے،جس نے مسلمانوں میں اضطراب،تشویش اورردِعمل کی فضاءپیداکردی ہے۔

مغربی تہذیب کا پیداکردہ یہ وہ بحران ہے،جس نے مغربی انسان کے کردار کے بعض اچھے پہلوؤں پربھی پانی پھیردیا ہےاورمسلم تجربہ نگارکویہ کہنے پرمجبورکردیا ہے کہ مغربی انسان ظاہری طورپرتہذیبی چمک دمک کے ساتھ باطن کے اعتبار سے مکمل طورپر تاریک اور ویران انسان ہے،جدیدفکر کے نام پران کی مادّی تہذیب دراصل حیوانیت کی ترقی یافتہ شکل ہے،اس سے مختلف ہرگزنہیں اوروہ اسی حیوانی تہذیب کومسلمانوں پرمسلط کرنے کیلئےعرصہ دراز سے حالت جنگ میں ہے،عراق،افغانستان،مصر،لیبیا شام وغیرہ میں انکی ساری کاروائیوں کامقصودمادّہ پرستانہ تہذیب کےغلبہ اورمسلمانوں کے وسائل پرقبضہ کےعلاوہ اور کچھ نہیں۔مغربی تہذیب کی یہ وہ خرابیاں ہیں،جس نے اس تہذیب کوانسانیت کیلئے خوفناک بنادیا ہے۔

ہماراتہذیبی انحراف اوراس کی نوعیت یہ ہے کہ مغرب نے عرصہ سے ہم پرتہذیبی جنگ مسلط کی ہے،اپنے تعلیمی نظام کے تسلط کے ذریعہ وہ ہماری نسلوں کواپنی مادہ پرست

تہذیب کا حامل بنا چکا ہے، یہ نسلیں جسمانی طور پر تو ہمارے ساتھ ہیں، لیکن وہ ذہنی وجدانی اور نفسیاتی طور پر اہل مغرب کا حصہ ہیں، انکی پسند و ناپسند کے معیار وہی ہیں، جو اہل مغرب کے ہیں، وہ آزادی اور حریتِ فکر کے دلدادہ ہیں، سیکولرزم ان کیلئے نظریۂ حیات کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، وہ مذہب کو پوجا پاٹ، بزرگوں کو نذرانہ دینے اور کچھ ظاہری رسوم کی ادائیگی سے زیادہ اہمیت دینے کیلئے تیار نہیں۔ یہ وہ تہذیبی المیہ ہے، جس میں اہم اجتماعی طور پر عرصہ سے مبتلا ہیں۔ مغرب کی طرف سے مسلط کردہ اس جنگ اور اس بحران سے نکلنے کی صورتوں پر غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

ایک بات واضح ہے کہ اسلام جس پاکیزہ تہذیب کا علمبردار ہے، وہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے، یہ تہذیب انسان کی ناگزیر ضرورت ہے۔

اس تہذیب سے وابستگی کے بغیر انسانیت سکون کی نیند سو سکے ممکن نہیں، اگر ہم نے اپنی تہذیب کے تحفظ کیلئے مناسب اور موزوں حکمتِ عملی کے ساتھ کام نہ کیا اور اس کیلئے اپنی توانائیاں خرچ نہ کیں تو اللہ تعالیٰ خود مغرب کے اندر سے تلاش و تحقیق کا ذہن رکھنے والے ایسے افراد پیدا کرے گا، جو اسلامی تہذیب کے تحفظ و بقاء کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ ہماری شعوری کوششوں اور منصوبہ بندی کے بغیر پچھلے سالوں میں لاکھوں مغربی انسان اسلام قبول کر چکے ہیں اور بہتر مسلمان کی حیثیت سے کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ اسلامی تہذیب خود اپنے لئے جگہ بنا رہی ہے، اسلام ہمارا محتاج نہیں، بلکہ ہم اس بات کے محتاج ہیں کہ اپنی دنیا و آخرت کی بہتری کیلئے باعثِ رحمت تہذیب کے فروغ پر کام کریں۔

- -

ہمارے لئے بڑھتے ہوئے اخلاقی بحران سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم تقویٰ، حکمت، بصیرت و بصارت، معرفت، خود احتسابی اور باطنی علم کو فروغ دینے کے کام کو ترجیح دیں، اس کام کو تعلیم و تربیت اور اجتماعی نظام کی بنیاد میں شامل کریں۔ تا کہ افراد کی حیوانیت، درندگی، مادّیت اور مادّی جبلت پر ملکوتی و روحانی قوتوں کے غلبہ کی صورت پیدا ہو، پاکیزہ انسانی جذبات اُجاگر ہوں، فطرت سے ہم آہنگی پیدا ہو، اور فطرت سے مطابقت رکھنے والے کردار کی نشو و نما کی صورت پیدا ہو۔

دعائے مغفرت

گوجرانوالہ سے محمد اقبال، محمد ریاض کے پھوپھا

نوشہرہ ورکاں سے عبدالحمید کی والدہ

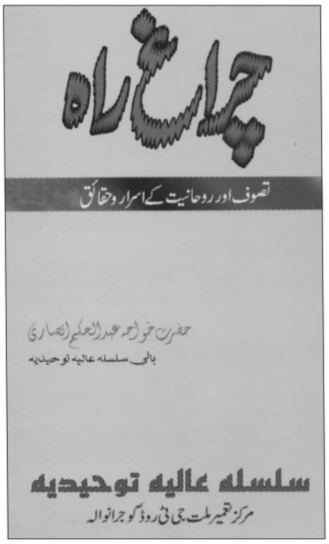
ملتان سے محمد قاسم خان کی اہلیہ

ملتان سے اسامہ اسد کے پھوپھا جو عبدالوحید صاحب کے خالہ زاد تھے

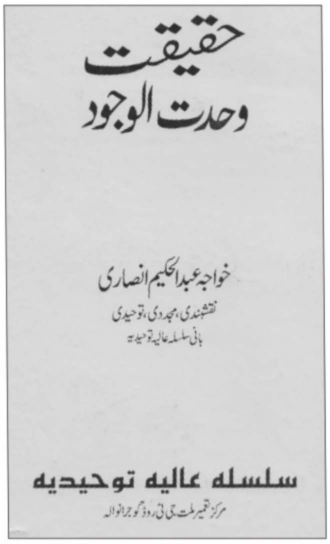
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



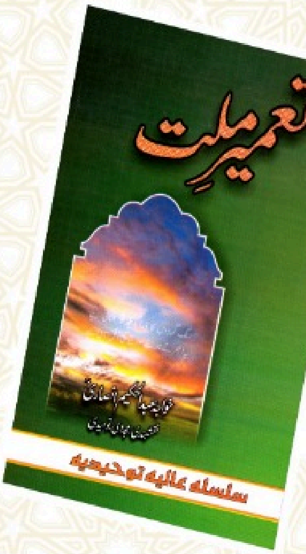
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



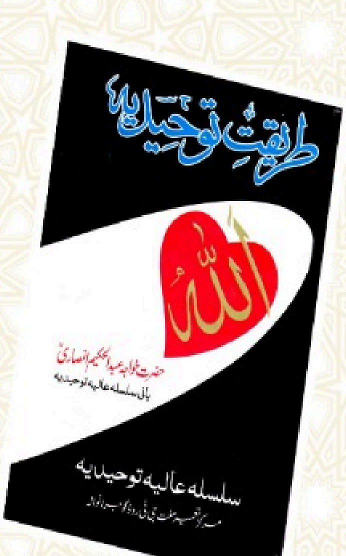
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com